''ہم اسی لئے یہاں کھڑے ہیں کیونکہ تمہارے اعصاب عصرہ کے قتل کا الزام نہیں سہہ سکے تھے۔''

''مگر میں نے سبق سیکھ لیا ہے۔ وہ میری غلطی تھی۔ اب میں اس کو نہیں دہراؤں گی۔''

وہ کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا تو وہ اس کے پیچھے آئی۔

''اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے تھے تو اتنا عرصہ مجھے بتایا کیوں نہیں اور....''

وہ گھوم کے اس کے سامنے آنے لگی جب ایک عجیب سی آواز آئی۔

زن سے ایک تیر قریبی درخت میں پیوست ہوا۔

تالیہ تیزی سے نیچے ہوئی۔ یکے بعد دیگر تیر چل رہے تھے اور درختوں میں پیوست ہو رہے تھے۔

چند لمحے کے لئے اس کا ذہن بالکل سُن ہو گیا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ فاتح اس کے ساتھ زمین پہ جھکا ہوا ہے۔ وہ اس کو نیچے رہنے کا کہہ رہا ہے اور پھر چلا چلا کے سپاہیوں کو بلا رہا ہے.....عجیب خوف زدہ کر دینے والی گھڑی تھی وہ.....وہ چہرے کے سامنے بازوؤں کی قینچی بنائے سر نیہوڑائے بیٹھی رہی۔

''وہ حملہ آور تھے آقا۔ سپاہیوں کے آتے ہی بھاگ گئے۔ اور محل میں کہیں گم ہو گئے۔ یا کیا معلوم باہر نکل چکے ہوں۔''

اس نے سر اٹھایا تو ارد گرد جمگھٹا لگ چکا تھا۔ مراد راجہ کی پریشان اور غصیلی شکل سب سے پہلے نظر آئی۔

مراد نے ہاتھ سے اسے سہارا دیا تو وہ اس کے سہارے سے اٹھی' پھر اس کے کندھے سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔

''یہ زہر میں بجھے تیر تھے۔'' فاتح نے ایک تیر درخت کے تنے سے کھینچ نکالا اور پہلے اس کے پھل کو دیکھا۔ پھر نظر اٹھا کے مراد کو۔

''درختوں کے باعث وہ نشانہ نہیں لے سکے۔ عجلت میں لگتے تھے۔ مگر وہ ڈرانے نہیں مارنے آئے تھے۔''

''مجھے کوئی کیوں مارنا چاہے گا؟'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ''اب تو ہر چیز ٹھیک ہو چکی ہے۔''

''کیا واقعی؟'' فاتح ابھی تک تیر کے پھل کا معائنہ کر رہا تھا۔

مراد کے ماتھے پہ شکنوں کا جال بچھا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ فاتح نے اسے کہنی سے تھاما اور اسے لیے محل کی طرف چل دیا۔ وہ پریشان لگتا تھا۔

وہ بھی قدرے شل سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ انتہائی صدمے سے وہ سنبھل چکی تھی لیکن تعجب ابھی تک برقرار تھا۔

''مجھے کون مارنا چاہے گا؟'' اور ذہن مزید بیدار ہوا تو صبح کے سویرے کی طرح دماغ کے خانوں میں روشنی بھرنے لگی۔

''ظاہر ہے وہ شخص جس کی گردن پہ تم نے چاقو رکھا تھا۔'' وہ غصے سے بولا۔ اس کی کہنی اس نے اس کے کمرے کے

دروازے تک پہنچ کے چھوڑی تھی۔

''اب تم یہیں رہو گی۔ اندر۔ سپاہیوں کے حصار میں۔'' وہ فکرمندی اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ''ہر چیز ہمارے منصوبے کے مطابق جا رہی ہے۔ ہم ذرا سی غلطی بھی نہیں افورڈ کر سکتے تالیہ۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب محبت کو پا لینے کی امید بندھ جائے تو جان جانے کا خوف کتنا بڑھ جاتا ہے۔

وہ بہت بہادر تھی۔ آج وہ ڈر گئی تھی۔

''وہ مجھے نہیں مار سکتا۔ آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے فاتح سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ پلٹنے لگا جب وہ ایک دم بولی....

''اگر اس نے مجھے مار دیا.... اور میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی.... تو؟''

وہ آہستہ سے پلٹا اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتیں؟''

''اگر میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی تو آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ نہیں مجھے ایسے نہ دیکھیں۔ میری بات سنیں۔ آپ کو میری بات ماننی ہو گی۔''

''کہو۔''

''مجھے کچھ بھی ہو جائے.... لیکن آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے اور اس عہدے تک پہنچیں گے جو برسوں سے آپ کا خواب تھا۔ آپ ایسا کریں گے نا' فاتح؟''

وہ مشعلوں سے روشن قدیم راہداری میں کھڑے تھے۔ ان کے سائے دیوار پہ پڑ رہے تھے اور ماحول میں ان جانا سا خوف در آیا تھا۔

''میں استعفیٰ واپس لے لوں گا۔ اور ہم تینوں ایک ساتھ واپس جائیں گے۔ میں ''یہ'' وعدہ کرتا ہوں۔''

تسلی دلانے والے انداز میں کہہ کے فاتح نے اسے اندر جانے کو کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔

☆☆==========☆☆

آدھی رات کو شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی آہٹ پہ چونک جاتی۔ تکیے تلے رکھے خنجر تک ہاتھ جاتا۔ پھر سر جھٹک دیتی۔

دفعتاً وہ بستر سے نکلی۔ بال باندھے۔ چمڑے کے اونچے جوتے پہنے' اور سر پہ شال لپیٹے کھڑکی کی طرف آئی۔ بنا آواز کے وہ باہر کود گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اصطبل سے اپنا گھوڑا نکال رہی تھی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکالا اور دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ سانس روک لی۔ خنجر تان

لیا۔ اگر حملہ آور اس کا تعاقب کر رہا تھا تو وہ.....

"تالیہ.....؟" وہ اکتا سے اسے آواز دے رہا تھا۔

فاتح کی آواز نے ایک دم خنجر پہ اس کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ اوٹ سے باہر نکلی۔

"آپ یہاں کیسے؟"

وہ چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ کچھ فکرمند' کچھ خفا لگتا تھا۔ آستینیں موڑ رکھی تھیں اور ابرو بھینچے ہوئے تھے۔

"کیونکہ میں نے تمہاری حفاظت کے لئے بہت سے سپاہیوں کو مامور کر رکھا ہے۔ تم کمرے سے نکلو گی تو مجھے خبر ہو جائے گی۔" پھر تاریک اصطبل پہ نظر ڈالی۔ "تم اس وقت کہاں جا رہی تھیں؟"

وہ مسکرا دی۔ "چلیں گے میرے ساتھ؟"

"آپ کی کافی۔" وہی باریستا نے ایک دفعہ پھر کاؤنٹر چھوڑ کے اس کے پاس آیا اور میز پہ کافی سے بھرا کپ رکھتے ہوئے بولا تو تالیہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ پھر کپ کو۔

"آپ کو کچھ اور چاہیے' مادام؟"

"اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے گم صم سے انداز میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ باریستا واپس اپنی جگہ پہ آیا تو ایک دوسرے ویٹر نے اس کو خفگی سے کہا۔

"ہم فری کافی صرف اس کسٹمر کو دیتے ہیں جس کی سالگرہ ہوتی ہے۔ تم نے خوامخواہ اس لڑکی کو دے دی۔"

"اس نے کہا تھا اس کی سالگرہ ہے۔" وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔ لڑکی کی میز قریب ہی تھی۔ اس نے بھی سن لیا تھا۔ ان دونوں کو دیکھا اور پھیکا سا مسکرائی۔

"یہ درست کہہ رہا ہے۔ آج میری سالگرہ ہے۔ میرا اس دنیا میں آنے والا دن۔"

اور پھر سے گردن موڑ لی۔ دوسرا ویٹر عجیب سی نظروں سے اس لڑکی کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں پہ واضح طور پہ خون لگا ہوا نظر آتا تھا۔ تازہ خون جو اب خشک ہو چکا تھا۔ وہ خون ہی تھا۔ رنگ نہیں۔

وہ بھی اب اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا ذہن دوبارہ سے پیچھے اس رات تک جانے لگا جب وہ دونوں ایک دفعہ پھر اسی قلعے کی طرف چلے آئے تھے۔ فاتح اتنا لمبا سفر خوامخواہ کرنے پہ ناخوش تھا لیکن شہزادی کی بات ماننے کے سوا چارہ نہ تھا۔

قلعے کے صحن میں جلی بجھی لکڑیوں کا ڈھیر ویسے ہی پڑا تھا۔ وہ دونوں ان سرد لکڑیوں کے پاس آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''تم آج کے واقعے سے ڈر گئی ہو؟'' وہ اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

تالیہ نے پلکیں اٹھائیں۔ ''تالیہ مرنے سے نہیں ڈرتی۔''

''پھر کس چیز کا خوف تالیہ کو سونے نہیں دے رہا تھا؟''

''اگر وہ تیر میرے بجائے آپ کو لگ جاتا؟ تو میں کیا کرتی؟''

فاتح نے چہرہ تعجب سے پیچھے کیا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''تو تم میرے لئے فکرمند تھیں؟ میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں' تالیہ۔''

''میں نے آپ کو جادوئی سوئی سے مار دیا تھا۔ کیا میں واقعی اتنی بڑی غلطی کر سکتی ہوں۔'' وہ ایک دم روہانسی ہوگئی۔

''اوہو.....وہ کتاب سچ نہیں بول رہی۔''

''مجھے اس دنیا سے بہت خوف آنے لگا ہے۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ کسی بھی بڑے نقصان سے پہلے۔ پلیز فاتح۔''

''میں نے وعدہ کیا ہے نا' ہم واپس ضرور جائیں گے۔'' وہ اسے نرمی سے یقین دلا رہا تھا۔

اندھیر صحن میں وہ دونوں آج بھی اسی طرح بیٹھے تھے۔ لیکن آج درمیان میں آگ کا الاؤ نہ تھا۔ نہ حدت تھی نہ روشنی۔ صرف سرد سا اندھیرا تھا۔

''اب مجھے امید ملی ہے۔ کہ میں اور آپ کبھی ایک ہو سکیں گے۔ میں اب اس کو کھونا نہیں چاہتی۔''

''ہمارے ایک ہونے سے تمہاری زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔''

''اس کریزی دنیا سے زیادہ مشکل تو نہیں ہوگی۔'' پھر قدرے شک سے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ واقعی میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں؟''

وہ پورے دل سے مسکرا دیا۔ ''ہاں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ رہو۔ کیونکہ.....''

''کیونکہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری ضرورت ہے۔'' اسے کچھ یاد آیا تھا۔

''ہاں اور.....میں اب تالیہ مراد کے بغیر اپنے مستقبل کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' اندھیر صحن میں بیٹھا فاتح بتانے لگا۔ اوپر آسمان پہ تارے اور چاند' سب اکٹھے ہو کے دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگے تھے۔

''مجھے تمہاری عادت ہو چکی ہے۔ جب میں سب بھول چکا تھا اور تم صرف میری چیف آف اسٹاف تھیں' تب بھی تمہارے بغیر زندگی مشکل لگتی تھی۔ اور اب تو سب یاد آ چکا ہے۔''

''مثلاً کیا؟'' اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھیں بنا کسی دقت کے فاتح کا چہرہ دیکھ سکتی تھیں۔

''مثلاً یہ کہ میرا اور تمہارا رشتہ زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے۔ زمانہ جو بھی ہو' زمین جیسی بھی ہو' فاتح رامزل تالیہ مراد کے بغیر نامکمل ہے۔ جو تم میرے لئے ہو تالیہ' وہ میرے لئے کبھی کوئی نہیں بن سکا۔ جو جگہ تمہاری ہے میرے دل میں' وہ کبھی کسی کی نہیں ہو سکی۔ میں تمہارے لئے جو fondness محسوس کرتا ہوں' وہ.....''

''fondness؟'' شہزادی نے ناگواری سے ابرو اٹھایا۔ ''صرف فونڈنیس؟ آپ کو اپنے احساسات بس یہی لگتے ہیں؟''

''شاید۔''

''آپ کو کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی شاید ورنہ آپ کو اپنے احساسات کے درست نام معلوم ہوتے۔''

اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''یعنی آپ کو محبت ہوئی ہے شہزادی؟''

''جی۔ مجھے ہوئی ہے۔ اور میں اتنی بہادر ہوں کہ سرِ عام اعتراف کر سکتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو فاتح نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

''جانتا ہوں۔''

وہ چونکی۔ رنگ بدلا۔ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا بات۔ کیسی بات۔ لیکن لبوں سے بس یہی پھسلا۔ ''کب سے؟''

''قریباً پانچ سو ستاون برس سے۔''

چند لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکی۔

وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ وہ اس کے لئے کیا محسوس کرتی ہے۔ ایسے شخص کو وہ کیا کہے؟ ظالم یا.....؟

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ میرے لئے صرف fondness محسوس کرتے ہیں تو آپ خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے وان فاتح۔'' تنک کے پیچھے سے بولی تو اس نے شانے اچکا دیے۔ اب وہ جھک کے لکڑیوں کو اکٹھا کر رہا تھا۔ غالباً اسے آگ جلانی تھی۔

''آپ واپس جا کے بدل تو نہیں جائیں گے؟''

''تم اس بات سے ڈرتی ہو کہ میں سب کچھ پھر سے بھول جاؤں گا؟''

''کیا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھول گیا تو ہم واپس اسکوائرون پہ کھڑے ہوں گے۔''

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش ایڈم یہ سب بھول جائے۔ اس نے سب سے زیادہ تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب پنجوں

کے بل بیٹھا آگ جلا رہا تھا۔ پہلے چنگاریاں جلیں۔ پھر یکایک شعلہ بھڑک اٹھا۔ فاتح نے مسکرا کے پیچھے دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے چونک کے گردن ادھر ادھر گھمائی۔

وہ ایک دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس سے وہ دیوار پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ تعجب سے اٹھا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''اپنی تقدیر پوری کر رہی ہوں۔''

فاتح نے ایک جلتی لکڑی الاؤ سے نکالی اور اسے بلند کیے تالیہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ دیوار کو شعلے نے مزید روشن کر دیا۔

تالیہ کے ہاتھ میں ایک موٹی، نوکیلی سوئی تھی جس سے وہ دیوار پہ کھرچ کھرچ کے لکھتی جا رہی تھی۔

''تاشہ.....

جو شہزادیوں جیسی تھی...

اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی

اور اسے آزاد کر دیا تھا۔

اس نے ملاکہ کے لوگوں کی

خدمت کی تھی پورے دل سے.....

اس نے دشمنی مول لی سلطان سے

اور دوست بنائے عام لوگوں میں.....

اور بالآخر اس نے خود کو بھی آزاد کر دیا.....

ناکردہ گناہوں کے بوجھ سے.....

ماضی کے غم سے.....

وہ اس حال میں گئی اس دنیا سے

کہ وہ تیار تھی ہر الزام کا مقابلہ کرنے کے لیے.....

بہادری سے.....''

نظم مکمل کر کے اس نے سوئی نیچے کی اور پلٹی۔

''کیا یہ عمارت ہمارے زمانے تک محفوظ رہے گی؟ اور یہ نظم بھی؟'' فاتح کی محتاط نظریں اس سوئی پہ جمی تھیں۔

''نہیں۔ میں نے صرف اسے خواب میں دیکھا تھا۔ ایسی کوئی عمارت ہمارے زمانے میں نہیں ہے۔ غالباً پرتگالیوں نے اسے بھی جلا دیا تھا۔ اور آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو اس سوئی سے نہیں ماروں گی۔'' آخر میں جل کے بولی۔

''میں نے بطور رباس تم سے کافی سخت کام لیے ہیں۔ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔'' وہ چوکنا سا کہہ رہا تھا۔

''اُف فاتح۔ یہ محض موٹی کڑھائی کی سوئی ہے۔ میں اسے ابھی آگ میں پھینکتی ہوں۔'' وہ واقعی آگے آئی اور اس سوئی کو جلتے الاؤ میں پھینک دیا۔ وان فاتح نے گہری سانس خارج کی۔

''آر یو شیور تمہارے پاس ایسی کوئی دوسری سوئی نہیں ہے؟''

تالیہ بے اختیار ہنس دی۔ ''آپ کو چاہیے کہ آپ میرے ساتھ اچھا برتاؤ رکھیں۔ ورنہ کیا معلوم میرے پاس ایسی کئی سوئیاں پڑی ہوں۔''

''ہمیں واپس جانا چاہیے۔ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ سر جھٹک کے کہتا آگے بڑھ گیا تو وہ ایک دفعہ پھر ہنس دی۔

☆☆=========☆☆

اگلا سارا دن خاموشی سے کٹا۔ لگتا تھا محل پہ موت کا سناٹا چھایا تھا۔ سب چپ چاپ اپنے کاموں میں لگے تھے۔ اگلے روز مراد راجہ اور مرحوم سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کرنی تھی۔ یہ وہ بغاوت تھی جو مراد راجہ بہت عرصے سے تیار کر رہا تھا۔ اور اب بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی تھی۔ تالیہ کو حکم تھا کہ وہ تہہ خانے کی کال کوٹھڑی میں ایڈم کے ساتھ رہے گی۔ اسی لئے وہ سرِ شام ہی وہاں چلی گئی تھی۔

وسط کمرے میں انگارے دہک رہے تھے اور کڑاہی میں موجود مائع ابل رہا تھا۔ وہ ڈوئی ہلاتی' خلاء میں دیکھتی کسی سوچ میں گم تھی۔ کھلے بال شانوں پہ گر رہے تھے اور کان پہ ایک سوکھا پھول اٹکا تھا۔

ایڈم کمرے کے دوسرے کونے میں دیوار کے ساتھ فرش پہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پہ کتاب رکھی تھی جس کو وہ دیے کی مدھم روشنی میں پڑھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے اسے بھی دیکھتا جو کسی خیال میں غرق نظر آتی تھی۔

''آپ اداس کیوں ہیں؟ اب تو وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کرنا چاہتے ہیں۔''

تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا۔ پھر ڈوئی رکھی اور دونوں ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرا دی۔

''اور اگر پھر سے وہ سب کچھ بھول گئے؟''

''اس دفعہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ تسلی دینے لگا۔

''کیا میں غلطی سے ان کو سوئی چبھو کے مار سکتی ہوں؟''

''چ تالیہ.... چ تالیہ....'' ایڈم نے افسوس سے کہتے ہوئے کتاب رکھی' اور لاٹھی کے سہارے اٹھا۔ پھر لنگڑا کے چلتا ہوا اس کے سامنے آیا اور بیٹھا۔ ''کسی کو کچھ نہیں ہو گا۔ اگر کوئی مر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔''

اس نے دہل کے ایڈم کو دیکھا۔ ''اللہ نہ کرے۔ تمہاری دوا بالکل تیار.....''

''Let's face it۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''ضروری نہیں ہے کہ دوا اثر کرے۔ اگر یہ ٹھیک نہ بنی.... یا اگر اس نے الٹا اثر کر دیا... تو میں مر بھی سکتا ہوں۔ میں ہماری کہانی کا بے کار کردار ہوں جس کی story arc ختم ہو چکی ہے۔ میرے کردار کے کرنے کے لئے اب کچھ نہیں بچا اس لئے اگر کوئی خطرے میں ہے تو وہ میں ہوں۔ وان فاتح یا آپ نہیں۔''

''ایڈم ہماری زندگی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور تمہارے پاس اب بھی کرنے کے لئے بہت کچھ پڑا ہے۔''

وہ تکلیف سے مسکرایا۔ ''بس یہی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ وہ میرے بغیر اکیلے ہوں گے۔ میں ان کی ساری زندگی کی کمائی ہوں۔''

''تم ان کے پاس ضرور جاؤ گے۔''

''اگر ایسا نہ ہو سکا تو کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گی؟'' وہ آگے کو جھکا اور سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ میرے ماں باپ کا خیال رکھیں گی؟''

''ان کو کبھی کسی معاملے میں مشکل نہیں پیش آئے گی' آئی پرامس۔''

''میں مالی معاملات کی بات نہیں کر رہا۔'' وہ آزردگی سے بولا۔ ''جب بچے پاس ہوتے ہیں تو وہ ماں باپ سے باتیں کرتے ہیں۔ اگر میں نہ رہا تو میں چاہتا ہوں کہ ان سے کوئی بات کرنے والا ہمیشہ موجود رہے۔ آپ بس مجھ سے اتنا وعدہ کریں کہ آپ ان کے لئے ''وقت'' نکالتی رہیں گی۔ وقت وہ سب سے بڑا تحفہ ہے جو ہم کسی کو دے سکتے ہیں۔''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔ سارے چکر اس 'وقت' کے ہی تھے۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں چونک کے مڑے۔ فاتح اندر داخل ہو رہا تھا۔ تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''آج تو بغاوت کی رات ہے۔ ایسے میں بندا ہارا کا مشیر یہاں کیا کر رہا ہے۔''

''یہ میری لڑائی نہیں ہے۔'' وہ شانے اچکا کے کہتا ان کے قریب آیا اور تیسری چوکی کھینچی اور باری باری ان کو دیکھا۔

''دوا تیار ہو گئی؟''

''صبح سے پہلے ہو جائے گی۔ یہ کافی تھکا دینے والا عمل تھا۔'' تالیہ نے ڈوئی پھر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ فاتح نے ایک نظر ایڈم کو دیکھا' پھر تسلی دی۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا نا' میں تمہیں واپس ضرور لے کر جاؤں گا۔''

''اگر آپ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے' مجھے تب بھی آپ سے گلہ نہیں ہو گا۔''

فاتح نے سوالیہ نظروں سے تالیہ کو دیکھا اور ابرو اچکائے۔ (اسے کیا ہوا ہے؟)

''ایڈم کو یقین نہیں ہے کہ دوا اثر کرے گی۔''

''دوا ضرور اثر کرے گی' ایڈم۔''

''اور اگر کچھ غلط ہو گیا؟ یا ہمارا پلان فیل ہو گیا؟ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں مجھے یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ متذبذب سا دھواں اڑاتی کڑاہی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم نے حرف بہ حرف ترکیب پہ عمل کیا ہے؟''

''جی..... لیکن.....''

''پھر کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اپنا یہ مایوس چہرہ درست کرو اور دوا تیار کرو۔''

''مگر..... فاتح..... کیا معلوم دوا کی ترکیب غلط ہو..... یا کچھ اور..... شاید ایڈم کو یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ بھی متذبذب ہو گئی مگر وان فاتح نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔

''یہ ایڈم کا آخری آپشن ہے۔ اس کو شکوک میں مت ڈالو۔'' ایڈم نے سر ہلا دیا اور تہہ خانے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ کڑاہی سے نکلتے دھوئیں کے مرغولے اوپر اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

''اب ہم ساری رات کیا کریں گے؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''صبح کا انتظار۔ ایک روشن صبح کا انتظار۔'' فاتح اوپر چھت پہ بنے روشن دان کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ فی الوقت سب کچھ پلان کے مطابق جا رہا تھا۔

جس وقت مراد راجہ کے سپاہی مرسل شاہ کے محل کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے' اور مرسل کو نیند سے اٹھا کے زنجیروں میں جکڑے قید خانے میں بند کر رہے تھے..... اس کوٹھڑی میں جلتا الاؤ بجھ چکا تھا۔

کڑاہی اب ٹھنڈی تھی۔ سارا مائع سوکھ کے ایک سفید سفوف میں بدل چکا تھا۔ مٹھی بھر سفوف۔

ایڈم بن محمد اب اس سفوف کو پانی کے گھونٹوں کے ساتھ نگل رہا تھا۔ سفوف ختم ہوا تو اس نے جام رکھا اور گہری سانس لے

کران دونوں کو دیکھا جو سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ترکیب کے مطابق دوا کھا کے مجھے سو جانا چاہیے۔ جب میں اٹھوں گا تو بالکل تندرست ہو چکا ہوں گا۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔ مجھے ابھی سے نیند آ رہی ہے۔''اس نے لاٹھی اٹھائی اور کھڑا ہو گیا۔ تالیہ امید اور فکرمندی کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا وہ دوبارہ ایڈم کو دیکھ پائے گی؟ وہ بھی تندرست حالت میں؟ اس کا جواب صرف وقت کے پاس تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت ملاکہ پہ آج صبح کا سورج بہت سی تبدیلیاں لیے طلوع ہوا تھا۔ مرسل شاہ قیدی بن چکا تھا۔ ملکہ یان سوفو ایک روز پہلے ہی محل سے فرار ہو چکی تھی۔ گزشتہ سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہو چکے تھے اور مراد راجہ ان کا بندا بارا تھا۔

بنگارایا ملایو کے مطابق یہ باغی شہزادے چند ہفتے ہی حکومت کر سکے تھے۔ مراد نے ان کی فوج کو استعمال کیا' ان کے ذریعے مرسل کو ہٹایا' اور چند ہفتے بعد ان شہزادوں کا پتہ بھی صاف کیا اور خود سلطان بن بیٹھا۔

مگر ابھی یہ سب ہونے میں کافی وقت تھا۔ اس لیے فی الحال وہ صرف بندا بارا تھا اور درست موقعے کا انتظار کر رہا تھا۔

مرسل کو اس نے اپنے محل کے قید خانے میں ڈالا تھا اور سپاہیوں کی بھاری نفری اس پہ پہرے کے لیے تعینات کر رکھی تھی۔

اس تنگ و تاریک کال کوٹھڑی میں قید مرسل شاہ کی حالت عجیب تھی۔ رات اس کو نیند سے اٹھایا گیا تھا' اس لیے وہ ابھی تک شب خوابی کے پاجامے قمیص میں ملبوس تھا۔ بال بکھرے تھے اور دیوار کے قریب سکڑا بیٹھا تھا۔ یہ وہی قید خانہ تھا جہاں ایک زمانے میں ایڈم بن محمد کو قید کیا گیا تھا۔

خیر.....وقت وقت کی بات تھی۔

مرسل ناخن چباتے ہوئے فرش کو دیکھ رہا تھا۔ جب اسے احساس ہوا سامنے کوئی کھڑا ہے۔ چونک کے سر اٹھایا تو دیکھا.....سلاخوں کے پار مراد راجہ کھڑا تھا۔ اٹھی گردن' لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ' اور آنکھوں میں تپش۔ مراد کی شاہی پوشاک اور ماتھے کی پٹی سے لٹکتی سنہری زنجیریں بتاتی تھیں کہ وہ نئے سلطان کا بھی منظورِ نظر ہے۔

''مراد راجہ۔''وہ غصے سے اٹھا اور سلاخوں کی طرف آیا۔ پھر انہیں پکڑ کے جھٹکا دیا اور مراد کو گھورا۔''تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا۔''

''اب بھی بہت لوگ مجھے دوست سمجھتے ہیں۔ خدا معلوم ان کا انجام کیا ہو گا۔'' مراد نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہاں سے نکالو مراد۔''وہ سلاخوں کو پکڑے غصے اور بے چینی سے بولا تو مراد نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''جانتے ہو تم ابھی تک زندہ کیوں ہو؟'' پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ ''کیونکہ تم نے ہمیں بتانا ہے کہ یان سوفو کہاں ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم وہ عورت کہاں ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا۔ بکھرے بال' بے ترتیب حلیے والا مرسل سلاخیں پکڑے کھڑا عجیب بے بس سا لگتا تھا۔

''یان سوفو کو بغاوت سے پہلے تم نے کہاں بھیجا ہے۔ وہ ابھی تک ہمارے ہاتھ کیوں نہیں لگی۔''

''میں نے اسے کہیں نہیں بھیجا.... مجھے نہیں معلوم۔'' مرسل غصے سے کف اڑاتا اب زور زور سے مراد کو لعن طعن کرنے لگا تھا۔ مراد سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

''یان سوفو کی تلاش میں پوری سلطنت میں سپاہیوں کو دوڑایا گیا ہے لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ شاید مرسل نے اسے چین بھیج دیا ہے۔''

عارف کہتے ہوئے اس کے ساتھ قید خانے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

''ہوں۔ مرسل نے اسے بھیجا ہے' یعنی مرسل کو بغاوت کا علم تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ خود کیوں نہیں بھاگا؟'' مراد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یان سوفو کو کسی اور نے بھیجا ہے۔ اسے بغاوت کی مخبری ہو گئی تھی۔ وہ مرسل کو چھوڑ کے پہلے ہی نکل گئی تا کہ اس کی جان بچ جائے....''

''یان سوفو ملکہ تھی۔ اس نے بغاوت کو بروقت کچلنے کی بجائے بھاگ جانے کو ترجیح کیوں دی؟'' عارف نے پوچھا تو آواز میں حیرت تھی۔

''اسے مرسل کی طاقت پہ بھروسہ نہ رہا تھا۔ یا شاید اس نے ہماری بغاوت کو اس کے اصل قد سے بڑا سمجھا تھا۔ وہ ڈر گئی اور بھاگ گئی۔''

وہ دونوں اب محل کی راہداری میں آ گئے تھے۔ اونچی کھڑکیوں سے روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی۔ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے چل رہا تھا اور عارف پیچھے۔ دفعتاً عارف اس کے برابر آیا اور سرگوشی میں بولا۔

''آدم نے آج صبح دوائی کھالی ہے' راجہ۔''

مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''اس کی حالت کیسی ہے؟''

''میں صبح اس کے کمرے میں گیا تو وہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اور......'' عارف خاموش ہوا تو مراد نے تیزی سے کہا۔ ''کیا' عارف؟''

''اس کے ہاتھ خراب ہونے لگے ہیں۔''

مراد نے سینے میں قید سانس آزاد کی اور سختی سے آنکھیں میچیں۔

''یعنی وہ کوڑھ سے مرے گا۔اس ترکیب کے مضر اثرات میں کوڑھ کا مرض شامل تھا۔تیزی سے پھیلتا کوڑھ جو اس کی جان لے لے گا۔''

راہداری میں ایک دم ویرانی سمٹ آئی۔کھڑکی سے اندر آتی چیونٹیوں کی قطار گیا سہم کے دونوں کی گفتگو سننے لگی۔مشعلوں نے اپنے شعلے افسوس سے نیچے کر لیے اور ہوا اپنا سانس روکے ساکت ہوگئی۔

''کتنی دیر لگے گی اس کو مرنے میں' راجہ؟''

''آج رات تک کوڑھ اس کے سارے جسم پہ پھیل جائے گا۔وہ کل کا سورج نکلنے سے پہلے مر جائے گا۔'' مراد کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔

''شہزادی تاشہ کو آپ کیا کہیں گے؟ وہ بہت واویلا کریں گی۔'' عارف نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میرے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے' عارف۔تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔'' مراد نے ابرو اٹھائے اور مسکرایا۔

اس کے چہرے کی جھریاں اور آنکھوں کی چمک عارف کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

''ریڈی.....سیٹ.....گو۔''

اپنی خوابگاہ میں سنگھار میز کے آئینے کے سامنے تالیہ بیٹھی تھی۔کنیز اس کے بال بنا رہی تھی جب اس نے آنکھیں بند کر کے خود سے کہا۔پھر کھنکھاری اور پیچھے کھڑی کنیزوں کو حکم جاری کیا۔

''آدم اب تک بیدار ہو چکا ہوگا۔باغ سے تازہ پھول توڑ کے لاؤ۔ہر رنگ کے پھول۔ہر خوشبو کے پھول۔میں اس کے لئے گلدستہ خود بناؤں گی۔'' اس کے انداز میں محبت ہی محبت تھی۔

جب تک کنیز نے اس کے بالوں پہ سنہری کلپ لگایا' اور ہار کا کنڈا اس کی گردن کے پیچھے بند کیا' غلام اور کنیزیں پیچھے رکھی میز پہ پھولوں کا ڈھیر لگا چکے تھے۔

''بہت خوب۔ہمیں آدم کا بھرپور طریقے سے استقبال کرنا ہے۔''

ہلکے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس' کان میں ایک پھول اٹکائے کھڑی شہزادی اب مسکرا کے ٹہنیاں اکٹھی کر رہی تھی۔

اس نے خود گلدستہ بنایا' اسے باندھا' اور پھر کنیزوں کی معیت میں کمرے سے نکلی۔

باغیچہ پار کیا تو دور دور تک پھیلے غلاموں اور خادموں نے دیکھا کہ شہزادی کتب خانے کی طرف جا رہی ہے جہاں شاہی مورخ بیمار پڑا ہے۔ اتنا تو سب جان چکے تھے کہ اس کا علاج شہزادی خود کروا رہی تھی اور شہزادی کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج وہ تندرست ہونے والا ہے۔

''ایڈم.....ایڈم!'' کھنکھار کے تالیہ نے ایک ہاتھ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دوسرے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر بستر نفاست سے بنا دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور.....

اور کمرہ خالی تھا۔

بستر سے یوں لگتا تھا یہاں رات کوئی سویا ہی نہیں ہے۔ ایڈم کی بیساکھی البتہ پلنگ کے ساتھ زمین پہ گری تھی۔

تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔'' آدم کہاں ہے؟'' وہ تیزی سے اندر آئی۔ کمرے کے ہر کونے میں دیکھا۔ بستر کے نیچے۔ الماری کے اندر۔ کھڑکی سے باہر۔ ایڈم کہیں نہیں تھا۔

''مجھے آدم بن محمد ہر حال میں چاہیے۔ اس کو ڈھونڈ کے لا کر دو مجھے ابھی۔''

اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ غصے سے۔ پریشانی سے۔ اور وہ پہریداروں کو چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ گلدستہ اس کے ہاتھوں سے نیچے گر چکا تھا۔

مگر کسی کو نہیں معلوم تھا وہ کہاں تھا۔ اسے رات کمرے میں آتے سب نے دیکھا تھا۔ نکلتے نہیں۔ سپاہیوں کی دوڑیں لگ گئیں۔ سارے میں افراتفری مچ گئی۔

مگر ایڈم بن محمد کا سراغ کہیں نہیں ملا۔

بندا ہارا کے محل سے دور.... ایک عمارت تھی جسے خطرناک قیدیوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں ایک تنہا' تنگ تاریک کوٹھڑی تھی۔ تین طرف دیواریں اور ایک طرف سلاخوں والا دروازہ۔

مراد اس کوٹھڑی کے باہر کھڑا تھا۔ عارف بھی ہمراہ تھا اور دونوں کی نظریں کوٹھڑی کے فرش پہ لیٹے ایڈم پہ جمی تھیں۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور بازو پہلو میں گرے تھے۔ بایاں ہاتھ سیاہی مائل ہو رہا تھا جیسے جلد گل سڑ گئی ہو۔

کوٹھڑی کے باہر ایک ہی مشعل روشن تھی۔ مدھم روشنی میں بس یہی دکھائی دیتا تھا کہ گلنے سڑنے کا عمل اس کے بائیں ہاتھ سے ہوتا ہوا گردن تک پہنچ گیا تھا۔ کرتے کے گلے سے جھانکتے کوڑھ سے اس کا چہرہ ابھی محفوظ تھا۔

''اس کو ابھی تک ہوش نہیں آیا؟''

''یہ غنودگی میں ہے۔ ابھی جاگا تھا۔ پھر غش کھا گیا۔''

عارف مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ مراد آگے آیا اور سلاخوں کے پار پیچھے چت لیٹے ایڈم کو غور سے دیکھا۔

''آدم۔''

اس کی آنکھیں کھلیں۔ چند لمحے وہ چھت کو دیکھتا رہا۔ پھر چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے خواب میں کھویا انسان لمبی نیند سے اٹھتا ہے۔

وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر گردن جھکا کے خود کو دیکھا۔ بائیں بازو پہ نظر پڑی تو آنکھیں خوف سے پھیلیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس نے جھٹکے سے گردن اٹھائی اور مراد راجہ پہ نظر ٹھہری۔

مراد نے محسوس کیا کہ وہ مسلسل بایاں بازو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کا بایاں بازو بے جان سا لگتا تھا۔ وہ پہلو میں زمین پہ گرا تھا۔

ایڈم بن محمد نے بے بسی سے مراد کو دیکھا۔ ''میرا بازو.... اس میں درد بھی نہیں ہو رہا۔ مجھے یہ محسوس کیوں نہیں ہو رہا' مراد راجہ؟'' اس کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''مجھے افسوس ہے' آدم۔'' مراد نے بنا تاثر کے محض اتنا کہا۔ ایڈم نے دوسرے ہاتھ کے زور پہ اٹھنے کی کوشش کی مگر یوں معلوم ہوتا تھا گویا اس میں اب اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی

''میں نے دوا بالکل ٹھیک بنائی تھی۔ مگر..... کیا ترکیب غلط تھی؟'' ساتھ ہی بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں راجہ۔ آپ مجھے غلط ترکیب نہیں دے سکتے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے افسوس ہے۔''

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی مراد پہ ٹھہری بے یقین آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''تم اس بات پہ قناعت کیوں نہیں اختیار کر لیتے کہ تمہارے مقدر میں بس اتنا ہی تھا؟ تم عام سے نوجوان تھے۔ تمہارے مقدر نے تمہیں مہینوں تک محل میں رہنے دیا۔ امراء' وزراء اور سلطان کے ساتھ وقت گزارنے دیا۔ تمہاری لکھی کتاب صدیوں تک یاد رکھی جائے گی۔ اس سے زیادہ تم اپنے مقدر سے کیا چاہتے ہو؟''

''راجہ۔'' وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ ''میرے ماں باپ.... وہ بوڑھے ہیں.... وہ اکیلے ہیں۔''

''تم اتنے برس ان کے ساتھ رہے۔ ان کی خدمت کی۔ وہ اپنے مقدر سے اس سے بڑھ کے کیا چاہتے ہیں؟'' مراد راجہ نے ساتھ ہی حیرت سے شانے بھی اچکائے تھے۔

''راجہ.... خدا کے لیے۔ مجھے ٹھیک کر دیں۔ کوئی دوا' کوئی جادو' کچھ تو ہوگا۔''

مگر مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے بڑھ گیا۔ ایڈم بے قراری سے پیچھے سے چلایا۔

"مجھے بے تالیہ سے ملنا ہے۔ ان کو میری خبر کر دیں۔ ان سے کہیں ایک دفعہ مجھ سے ملنے آجائیں۔"

وہ خود کو گھسیٹ کے سلاخوں کے قریب لانے لگا۔ مراد ان سنی کیے آگے بڑھ رہا تھا جب ایڈم نے وہاں کھڑے عارف سے التجا کی۔

"تم ....تم مجھے قلم کاغذ لا دو۔ میرا پیغام ان تک پہنچا دو۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "وہ تمہیں اس کے بدلے میں انعام دیں گی۔ مال، سونا، جو تم کہو۔"

عارف نے استہزائیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے اپنے اس راجہ سے بد دیانتی کرنے کا لالچ دے رہے ہو جو سلطان بننے والا ہے؟"

مراد نے پلٹ کے ایڈم کو دیکھا جو سلاخیں پکڑے بے بسی سے عارف کی منت کر رہا تھا۔

"یہ چند دن کا مہمان ہے، عارف۔ اسے خط لکھنے دو۔" اور اسے اشارہ کیا۔ عارف نے استعجاب سے ابرو اکٹھے کیے مگر راجہ کا حکم حتمی تھا۔ اس نے بس ایک برہم نظر ایڈم پہ ڈالی اور راجہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ایڈم سلاخوں سے سر لگائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"اس کو قلم کاغذ دینا دانشمندی ہو گی، راجہ؟" عارف ناخوش لگتا تھا۔

"وہ جو لکھے، اس کو میرے پاس لانا۔ ہم اس کی لکھائی کی نقل تیار کر کے اپنی مرضی کا خط شہزادی کو دے سکتے ہیں۔"

"اس کی لکھائی تو بنگارایا ملایو سے بھی مل جائے گی۔"

"مگر اس کتاب میں ذاتی نوعیت کی باتیں نہیں ہوں گی۔ کوئی لقب، کوئی فقرہ، جو صرف شہزادی جانتی ہو۔ ورنہ وہ کیسے یقین کرے گی کہ یہ خط آدم کا لکھا ہے؟"

وہ زینے چڑھتے آہستہ سے کہہ رہا تھا۔ "اور ہاں۔ اس کی خوراک بند کر دو۔ صرف پانی دو۔ پانی اس کا مرض بگاڑے گا۔ میں اس سے جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔"

عارف اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دونوں اب قید خانے سے دور نکل آئے تھے۔

☆☆==========☆☆

بندا ہارا کے محل کے باغیچے میں تالیہ مراد اس وقت اضطرابی حالت میں ٹہلتی نظر آرہی تھی۔ انگلیاں مروڑتی، دائیں سے بائیں چکر کاٹتی وہ دانتوں سے نچلا لب زخمی کیے جا رہی تھی۔ پس منظر میں قطار میں ہاتھ باندھے کھڑی کنیزیں اور غلام دکھائی

دے رہے تھے جو پیچھے کھڑے تھے۔ صبح سے شہزادی چیخ چلا رہی تھی اور وہ نشانے پہ تھے۔

دفعتاً روش پہ دور سے آتا عارف دکھائی دیا تو ایک کنیز نے کھنکھار کے اسے اطلاع دی۔ وہ چونکی اور اس طرف پلٹی۔ پھر ماتھے پہ بل ڈالے عارف کو آواز دی۔ وہ فوراً اس کی طرف آیا۔

''تم صبح سے کہاں تھے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' اس کا ضبط کا دامن گویا چھوٹ گیا تھا۔ غصے میں زور سے بولی تو عارف نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا شہزادی؟''

''آدم کہاں ہے؟'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

''آج صبح تک تو یہیں تھا۔ اب کہاں گیا؟ کتب خانے میں نہیں ہے کیا؟''

وہ چونکی۔ ''صبح؟ تم نے اسے صبح دیکھا تھا؟''

''جی شہزادی۔ وہ مراد راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔'' عارف نے بظاہر یاد کر کے بتایا۔ ''اس کے کندھے پہ ایک تھیلا بھی تھا۔''

''وہ... وہ ٹھیک تھا؟'' تالیہ نے بے قراری سے پوچھا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''جی۔ وہ بالکل ٹھیک تھا کیونکہ اس نے گزشتہ رات دوا پی لی تھی۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔ ظاہر ہے اس نے ٹھیک ہونا ہی تھا۔''

عارف کے الفاظ پہ پیچھے کھڑے غلاموں اور خادموں میں پرجوش سرگوشیوں کے تبادلے ہوئے۔ خود تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے گہری سانس لی۔

''تو وہ تندرست نظر آ رہا تھا۔'' اس کا ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔ چہرے کے تاثرات ذرا بہتر ہوئے مگر پھر وہ دوبارہ سے فکرمند ہوئی۔ ''وہ صبح بابا سے ملا۔ پھر کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم شہزادی' میں تو سیدھا سلطنت محل چلا گیا تھا۔ آپ راجہ سے معلوم کر لیں۔'' وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

''اوہ۔ اچھا۔'' وہ اب اطمینان سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ چہرے کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔

''میں جاؤں شہزادی؟''

''ہاں۔ نہیں۔ ٹھہرو۔ بابا کہاں ہیں؟''

''وہ سلطنت محل میں ہیں۔ عشاء کے بعد آئیں گے۔ آپ کہتی ہیں تو میں آپ کو وہیں لے چلتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں ان کا انتظار کرلوں گی۔'' پھر وہ بڑبڑائی۔ ''وہ ٹھیک تھا' اتنا ہی کافی ہے۔''

اس کا ہاتھ ہنوز دل کے مقام پہ تھا۔ اب وہ خود سے بڑبڑاتی پلٹ رہی تھی۔ عارف نے اسے جاتے دیکھا اور سوچا.... سب منصوبے کے مطابق جا رہا تھا۔ ساری اداکاری' سارے کرتب' سب درست تھے۔

بہت جلد اس کی ان دوسری دنیا کے لوگوں سے جان چھوٹنے والی تھی۔ اس کے بعد صرف وہ ہوگا۔ مراد راجہ کا دایاں ہاتھ۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

پھر چونکا۔ اسے فوراً واپس جا کے مراد کو اس سارے واقعے کی اطلاع کرنی تھی۔

☆☆=========☆☆

جب عارف واپس قید خانے میں آیا' ایڈم دیوار سے ٹیک لگائے یوں بیٹھا تھا کہ قلم ساتھ پڑا تھا اور گھٹنوں پہ رکھا کاغذ ہنوز کورا تھا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا۔ سیاہی اب اس کے آدھے چہرے تک پھیل چکی تھی۔ عارف کی نظریں اس کے دوسرے بازو تک گئیں۔

سیاہی نے اس کو بھی ڈھانک رکھا تھا۔ قید خانے سے جلد کے گلنے سڑنے کی بدبو اٹھ رہی تھی۔ عارف نے ناک پہ رومال رکھا اور اس کے قریب آیا۔ پیچھے ایک سپاہی پہرے پہ کھڑا تھا۔ اس نے بھی ناک کو کپڑے سے ڈھانک رکھا تھا۔

''آدم.....'' ناگواری سے اس کو آواز دی۔

ایڈم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں نہیں لکھ سکا کچھ۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''دیکھو.....چند الفاظ لکھ لو۔ خدا کے لئے۔''

''میرا ہاتھ نہیں چل رہا۔ راجہ۔ راجہ کو بلاؤ۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آواز میں درد تھا۔ بے بسی تھی۔ عارف پریشانی سے مڑا اور سپاہی کو مخاطب کیا۔

''اسے کچھ کھانے کے لئے دو۔ تا کہ اس کی توانائی بحال ہو۔''

''راجہ نے منع کیا ہے۔ اسے پانی کے سوا کچھ نہیں دینا۔''

''یہ صبح تک ویسے ہی مر جائے گا۔ مجھے اس سے یہ خط لکھوانا ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا مگر سپاہی نے گردن ہلا دی۔

''راجہ نے جو فرض مجھے سونپا ہے' میں اسے پورا کروں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے.....راجہ کو بلاؤ۔ ان سے کہو جلدی آئیں۔ اس نوجوان کا آخری وقت ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔ پھر ایڈم کو پکارا۔ ''کیا تم چند سطور بھی نہیں لکھ سکتے؟''

''راجہ کو بلاؤ۔'' وہ خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ سپاہی ناک پہ ہاتھ رکھے فوراً سے باہر نکل گیا۔

جس وقت مراد راجہ عجلت میں قید خانے میں پہنچا' عارف سر جھکائے سامنے ایک چوکی بیٹھا تھا۔ اس کے مقابل.... سلاخوں کے پار.... ایڈم اسی حالت میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی ساری جلد اب گلی سڑی نظر آتی تھی۔ سوائے چند دھبوں کے سارا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ بس آنکھیں پہچانی جاتی تھیں۔

مراد نے اونہوں کہتے ہوئے ہاتھ ناک پہ رکھا اور برہم نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے خط نہیں لکھا؟''

''راجہ.... اس کو کچھ کھانے کے لئے دے دیتے ہیں' تاکہ اس میں لکھنے کی توانائی آئے....''

''مراد راجہ....'' کوڑھ زدہ قیدی بولا تو عارف خاموش ہو گیا۔ ''مجھے درد نہیں ہو رہا.... آپ نے مجھ سے میرے سارے درد چھین لئے ہیں....''

مراد خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ماتھے پہ بل تھے۔

''مجھے یہ فیصلہ مشکل لگتا تھا.... چے تالیہ کو چھوڑنا.... مگر آپ نے اسے میرے لئے آسان بنا دیا۔'' وہ توڑ توڑ کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ نظریں در و دیوار پہ جمی تھیں۔ ''حالانکہ.... حالانکہ میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں بچا.... پھر بھی.... آپ چے تالیہ سے کہنا کہ میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں۔ ایڈم بن محمد اب کبھی تالیہ اور فاتح کے درمیان آنے کا نہیں سوچے گا۔ مجھے اب چے تالیہ کے لئے جینے کی خواہش بھی نہیں رہی۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' مراد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری جتنی زندگی باقی ہے .... میں وہ اپنے لئے جیوں گا.... جہاں بھی.... جیسے بھی.... اب میں پرسکون ہوں۔ مگر....'' اس نے نظریں مراد کی طرف پھیریں۔

''میں ایک عام انسان تھا.... مجھے عام موت نہیں چاہیے تھی۔ میں اپنی موت کو آپ کے لئے یادگار بنانا چاہتا ہوں۔''

وہ ہلکا سا کھانسا۔ مراد اتنی دور سے' اس نیم اندھیر ماحول میں بھی دیکھ سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کے سیاہ گلی سڑی جلد کی تہہ میں جذب ہو رہے تھے۔

''میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اچھے والد نہیں ہیں۔ آپ نے اپنی بیٹی سے ویسی محبت نہیں کی جیسی کرنی چاہیے۔ ماں باپ کا کام ہوتا ہے.... اپنے بچوں کی حفاظت کرنا۔ ان کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی ڈھال بن جانا۔ آپ کو بس اتنا کرنا تھا۔ اتنی سازشوں کی ضرورت نہ تھی۔''

عارف ناک پہ رومال رکھے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ مراد کے چہرے پہ البتہ کوئی تاثر نہ تھا۔

''آپ کے پاس اب بھی موقع ہے۔ چے تالیہ سے ویسے پیار کر کے دیکھیں جیسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں' جہاں رہنا چاہتی ہیں' ان کو ان کی مرضی کرنے دیں۔ آپ چے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔ ان کو آزاد کر دیں۔ میری جان لے لیں' راجہ۔ مگران کو آزاد کر دیں۔''

پھر وہ خاموش ہو گیا۔ اور گردن راجہ کی طرف سے موڑ لی۔ اب مراد اس کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔ وہ کافی دیر خاموش رہا تو مراد اکتا کے بولا۔ ''کہہ چکے؟''

ایڈم بن محمد نے جواب نہیں دیا تو مراد نے سر جھٹکا۔

''اس کو کھانا لا دو۔ شاید یہ چند سطور لکھ دے۔''

وہ مڑا اور باہر کی طرف بڑھا۔ دوسرے سپاہی نے قدرے سراسیمگی سے پکارا۔

''راجہ.....یہ زندہ ہے؟''

مراد نے اکتا کے کہا۔ ''ہاں وہ زندہ ہے۔ اسے کچھ کھانے کے لئے لا دو۔'' وہ باہر نکلا تو عارف بھی پیچھے ہو لیا۔

سیڑھیاں چڑھ کے وہ دونوں اوپر آئے تو مراد راجہ فکر مند دکھائی دیتا تھا۔

''مجھے اس کی کتاب لا کے دو۔ میں اس کی لکھائی میں خط لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''شہزادی تاشہ بہت زیرک واقع ہوئی ہیں۔ وہ پہچان جائیں گی۔''

''ہوں۔ شاید ہمیں خط کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک گواہی کافی ہو گی۔'' مراد سوچ رہا تھا جب وہی سپاہی بھاگا بھاگا اوپر آیا۔

''راجہ۔ راجہ۔'' وہ ہانپ رہا تھا۔ ''وہ.....وہ جواب نہیں دے رہا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ وہ شاید.....وہ مر گیا ہے۔''

انسانی موت ایسا المیہ ہے جو سخت سے سخت دل کو بھی ایک دفعہ ہلا دیتی ہے۔ چاہے وہ سخت دل اس کے منتظر ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ تینوں واپس نیچے دوڑے۔

قید خانہ ویسا ہی تعفن زدہ تھا مگر اب.....کوڑھ زدہ ''قیدی'' دائیں پہلو فرش پہ گرا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا ہو۔ بدبو پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''دیکھو.....وہ سانس لے رہا ہے؟''

سپاہی ہچکچایا۔ اس زمانے میں عام فہم رویہ یہ تھا کہ کوڑھ چھونے سے پھیلتا ہے۔ عارف تیزی سے تعفن زدہ کوٹھڑی کے اندر

آیا اور جھک کے اس کی گلی سڑی کلائی چھوئی۔

وہاں نبض کب کی ختم ہو چکی تھی۔ دل کی دھڑکن اور سانسیں بھی رک چکی تھیں۔

کوڑھ زدہ آدمی مر چکا تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ عارف نے مراد کو دیکھا اور افسوس سے سر ہلا دیا۔

''اس کی لاش کو سمندر میں بہا دو۔ اور اس راز کو یہیں دفن کر دو۔ اگر یہ بات کسی تیسرے فرد کو معلوم ہوئی تو میں تم دونوں کو مثالِ عبرت بنا دوں گا۔'' سرد آواز میں تنبیہہ کی اور آگے بڑھ گیا۔ عارف نے جھٹ سر ہلایا اور لاش کی طرف بڑھ گیا۔ اسے ہی اس کوڑھ زدہ لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ جانتا تھا دوسرا سپاہی مدد نہیں کرے گا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کا محل رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ چند قمقمے جل رہے تھے اور دیوار پہ لگی مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث گرد و نواح میں راستہ تھوڑا بہت سجھائی دیتا تھا۔

مراد قید خانے سے سلطنت محل گیا تھا۔ اور عشاء کے بعد وہاں سے فاتح کے ہمراہ اپنے محل واپس آ رہا تھا۔ محل کے قریب اس نے سپاہیوں کو آگے بھیج دیا تھا اور خود گھوڑے سے اتر آیا۔ لگام تھامے گھوڑے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کنکھیوں سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں گھوڑے کی لگام تھامے پیدل چل رہا تھا۔ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اپنی مخصوص سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے وہ سوچ میں گم لگتا تھا۔

''وفاداری تمہارے نزدیک کیا ہے ذوان فاتح؟'' اندھیر سڑک پہ چلتے مراد نے اچانک سے سوال پوچھا تو فاتح نے محض آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ کے نزدیک کیا ہے راجہ؟''

''اپنے مفاد پہ کسی دوسرے کو ترجیح دینا اس کے رازوں کی حفاظت کو مقدم رکھنا اور اس کا غیر مشروط ساتھ دینا۔''

''اگر وفا صرف یہی ہوتی تو یہ آپ مرسل کے ساتھ نبھا چکے ہیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مراد نے چونک کے قدرے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اتنی وفاداری تو سب آپ کے اچھے وقت میں نبھاتے ہیں راجہ۔ وفاداری صرف یہ نہیں ہوتی۔''

''پھر کیا ہوتی ہے؟''

فاتح نے نگاہوں کا زاویہ اس کی طرف موڑا اور سادگی سے کہا۔

''جب راستہ تاریک ہو جائے تو الوداع نہ کہنا بلکہ ساتھ چلتے رہنا۔ وفاداری اندھیروں کے ساتھ کا نام ہے۔''

مراد رک گیا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے اندھیر سڑک پہ کھڑے تھے۔

''میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو فاتح؟'' مراد گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں اب تک خود کو وفادار ثابت نہیں کر سکا؟''

''بظاہر تو تم نے سب کیا ہے لیکن ایک امتحان ابھی باقی ہے۔'' وہ ٹھہرا۔ بادل آسمان سے ذرا سے سمٹے تو چاند کا چمکتا ہوا کنارہ دکھائی دیا۔ ذرا دیر کو اندھیر سڑک پہ روشنی بکھر گئی۔

''میں نے تمہیں بروناۓ کے ولی عہد کے طور پہ اس لئے متعارف کروایا تھا کیونکہ میں دیکھ چکا تھا' تاشہ تمہارے بغیر میری دنیا میں کبھی خوش نہیں رہے گی۔ کیا تم اس سے میری دنیا کے رواج کے مطابق شادی کرنا چاہتے ہو؟ ایسی شادی جس کا علم ساری سلطنت کو ہو۔''

ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ فاتح کے چہرے پہ چھائے سکون میں واضح دراڑ پڑی تھی۔

''میں اور تالیہ ایک زمانہ پہلے اس رشتے میں خود کو باندھ چکے ہیں راجہ۔''

''میں ایک علی الاعلان شادی کی بات کر رہا ہوں۔'' مراد کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''اور بدلے میں مجھے آپ سے چابی کا سوال نہیں کرنا ہوگا۔ ہے نا؟''

''ایسا ہی ہے۔ ویسے بھی تمہاری دنیا میں تمہارے لئے اب کیا رہ گیا ہے؟ تم وہاں کبھی حکومت نہیں کر سکو گے۔''

فاتح چپ ہو گیا۔

''میں نے سوچا تھا کہ اگر مجھے دوبارہ موقع ملے تو میں اپنا استعفیٰ واپس لے لوں گا اور دوبارہ سے....''

''تمہارے لوگ اب کبھی تمہارا اعتبار نہیں کریں گے' وان فاتح۔'' مراد زور دے کر بولا۔ ''تمہارے لئے وہاں اب کوئی محبت' کوئی التفات نہیں بچا۔ تاشہ نے بتایا تھا کہ تمہاری بیوی مر چکی ہے' تمہارے خواب ختم ہو چکے ہیں۔ بہت جلد تمہارے بچے تمہارا نام اپنے ساتھ لگانے سے احتراز کرنے لگیں گے۔ تمہاری دنیا راکھ ہو چکی ہے۔''

اندھیرے میں بھی وہ فاتح کی گردن میں ڈوب کے ابھرتی گلٹی دیکھ سکتا تھا۔

''مگر میری دنیا میں.... میں تمہیں ایک غیر ملکی شہزادے کے طور پہ خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم سلطان کی بیٹی سے شادی کرو گے۔ تم میرے بنداہارا بن سکتے ہو۔ تم میرے ساتھ اس ملک پہ حکومت کر سکتے ہو۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟''

''میں نے ایک دفعہ اپنے دوستوں کو بتائے بغیر آپ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ اگر میں نے دوبارہ ایسا کیا تو وہ میرا

اعتبار کبھی نہیں کریں گے۔"

"میں آدم کو واپس اس کی دنیا میں بھیج سکتا ہوں۔ اور تم.... تم ادھر ہی رہ سکتے ہو۔" مراد بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟" وہ مشتبہ نظروں سے راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اپنی بیٹی کے لئے۔ وہ تمہارے بغیر کبھی خوش نہیں رہے گی۔"

"یعنی تالیہ کو پانے اور ایڈم کو واپس اس کے ماں باپ سے ملانے کے لئے مجھے ایک دفعہ پھر مراد راجہ کے ساتھ پس پردہ سودا کرنا پڑے گا؟" وہ ناخوشی سے بولا۔

"ہاں۔ مگر پہلے تمہیں اپنی وفاداری ثابت کرنی ہو گی۔" مراد معنی خیز انداز میں کہہ کے آگے بڑھ گیا تو فاتح نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا مگر فی الحال مراد کا رکنے کا ارادہ نہ تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئے تو اندھیر پڑے باغیچے کے سامنے برآمدے کے زینوں پہ وہ منتظر دکھائی دی۔ مراد کو آتے دیکھ کے وہ تیزی سے نیچے آئی۔

"بابا.... ایڈم کہاں ہے؟ کیا وہ آپ کے ساتھ ہے؟"

وہ ان کے سامنے آرکی اور بے قراری سے بولی۔

مراد نے گہری سانس لی اور فاتح کو دیکھا۔ "تم نے اسے نہیں بتایا؟"

فاتح چونکا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ جیسے سمجھ نہ آیا ہو اس بات پہ کیا کہے۔

"آدم نے تندرست ہونے کے بعد مجھ سے پہلا سوال وقت کی چابی کے بارے میں کیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔ وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ مگر...." تالیہ ٹھہر گئی۔ بے یقینی سے مراد کو دیکھا۔ "کیا مطلب؟ بابا.... آپ نے....."

"ہاں۔ میں نے اسے وقت کی چابی دے دی۔ وہ اپنی دنیا میں واپس جا چکا ہے۔"

چند لمحے کے لئے اندھیر سیڑھیوں پہ ششدر سا سناٹا چھایا رہا۔ تالیہ اور خود فاتح بھی بے یقینی سے مراد کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے..... ایڈم کو.... جانے دیا؟ مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"یہ فاتح اور اس کی خواہش تھی کہ ایسا ہی ہو۔"

وان فاتح نے چونک کے مراد کو دیکھا اور پھر تالیہ کو جس کی بے یقین نظروں کا رخ اس کی طرف مڑ چکا تھا۔

مراد راجہ اسی سادگی سے بتا رہا تھا۔

''وہ چابی محض آدم اور فاتح کے لئے تھی۔ آدم چاہتا تھا کہ وہ تم سے ملے بغیر واپس جائے۔ اور وان فاتح....'' مراد نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''وان فاتح واپس نہیں جانا چاہتا۔ وہ یہیں رہنا چاہتا ہے۔ مجھے بتاؤ میں نے کیا غلط کیا؟''

وہ ابھی تک صدمے کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ بس ٹکر ٹکر باپ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''وہ چابی...ظاہر ہے...فاتح اور ایڈم کے لیے تھی...مگر....'' ذرا سنبھل کے بولی' پھر شکایتی نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ ''مگر آپ نے مجھے بتانا مناسب تک نہ سمجھا؟ ایڈم مجھ سے ملے بغیر یوں کیسے جا سکتا ہے؟ کیا اس نے....اس نے میرے لئے ایک فقرہ بھی نہیں کہا۔''

''کیا اس نے کچھ کہا تھا؟'' مراد نے سنجیدگی سے فاتح کو دیکھا جیسے اس وقت فاتح وہاں موجود ہو۔ ''کیونکہ اگر کچھ کہا ہوتو وان فاتح ضرور تمہیں بتائے گا۔ مجھے اس کی وفاداری پہ شک نہیں۔'' مراد اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا کہہ رہا ہو....بنداہارا کا عہدہ... یا سچ؟ فیصلہ تمہارا ہے۔

''نہیں۔ وہ....وہ بس اپنے ماں باپ کے پاس واپس جانا چاہتا تھا۔'' وہ رک رک کے بولا۔ وہ اس جھوٹ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے یہ کہنا مشکل لگا تھا۔

''کیا تم یہی نہیں چاہتی تھیں؟ کہ وہ تندرست ہو جائے اور واپس چلا جائے؟'' مراد اپنی بیٹی کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ دونوں نے اسے واپس بھیج دیا؟ اور وہ بھی چلا گیا؟ مجھ سے ملے بغیر؟'' وہ ہنوز شاک کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

پھر وہ پلٹ گئی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ تعلیم' آداب' سب آج بھلا دیے۔

''تالیہ۔'' فاتح نے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ وہ دور چلی گئی۔

''کیا یہ تھا وفاداری کا امتحان؟'' وہ مراد کی طرف گھوما اور بہت ضبط سے بولا۔

''ہاں اور تم اس میں پورے اترے۔ تم ملاکہ سلطنت کے بہترین بنداہارا بنو گے' وان فاتح۔''

''میں نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''میں تمہاری آنکھیں پڑھ سکتا ہوں۔'' مراد نے مسکرا کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''تم نے جھوٹ اس لئے بولا کیونکہ تم تخت کھونا نہیں چاہتے تھے۔''

''آپ نے مجھے اس کی نظروں میں ناقابلِ اعتبار بنا دیا ہے۔'' وہ بولا تو آواز میں دکھ اور بے بسی تھی۔ مراد صرف مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

''کیا آپ کو واقعی اپنی بیٹی سے محبت ہے راجہ؟''

مراد کے قدم ٹھہر گئے۔ وہ مڑا اور ناگواری سے فاتح کو دیکھا۔ ''کیا تمہیں اب بھی شک ہے؟''

میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب میں آپ کو تخت دلاؤں گا تو میں آپ سے کچھ مانگوں گا۔''

''ابھی میں سلطان نہیں بنا۔''

''لیکن تخت آپ کا ہی ہے۔ یہ شہزادے تو کٹھ پتلی ہیں۔'' فاتح سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔''

''کہو۔'' مراد نے لب بھینچ لئے۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ 'مراد راجہ' بنے بغیر صرف.... صرف ایک باپ کی طرح اپنی بیٹی سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔''

مراد کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''یہ کس قسم کی شرط ہے؟''

''میں اس کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ نے ایڈم کو مجھ سے پوچھے بغیر واپس بھیجا ہے اور میرے لئے چابی بنائی ہی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ کام کر لیں تو میں یہاں رہنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا آپ ایک دن کے لئے تالیہ کے باپ بن کے دکھا سکتے ہیں؟''

''تمہیں لگتا ہے میں ایک اچھا باپ نہیں ہوں؟''

''یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ کیا آپ اپنی بیٹی کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اس سے اس کی مرضی پوچھ سکتے ہیں؟''

''اور اس سے کیا ہوگا؟''

''اگر آپ واقعی اس کے باپ بن کے اس سے بات کریں گے تو آپ کو اسے ایڈم کے بارے میں سچ بتانا ہوگا۔ سچ بتائے بغیر آپ دونوں کا رشتہ کھوتا رہے گا۔ میں نہیں مان سکتا کہ بغیر کسی بڑی وجہ کے آپ نے ایڈم کو خاموشی سے واپس بھیج دیا۔ کچھ ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔''

مراد چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس اندر کھینچی۔

''اس نے جاتے وقت کہا تھا کہ وہ ''تالیہ'' اور ''فاتح'' کے درمیان نہیں آنا چاہتا۔ وہ ''بچے تالیہ'' سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔ وہ اب 'بچے تالیہ' کے لئے نہیں جیئے گا۔''

مراد نے اس کے الفاظ دہرا دیے اور فاتح چند ثانیے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔ یہ ایڈم کے ہی الفاظ تھے۔ اور یہ اس کے

لئے نئے تھے۔ یہ الفاظ کسی سازش' کسی منصوبے کا حصہ نہ تھے۔

''اس نے ایسا کہا؟'' جو بات دونوں کے درمیان تکلف میں ہمیشہ ادھوری رہ گئی تھی' اسے ایڈم جاتے جاتے پورا کر گیا تھا۔

مراد اسے وہیں چھوڑ کے اندر آیا تو نیم اندھیر روشن راہداریاں ویران پڑی تھیں۔ اپنی خواب گاہ کی طرف جانے کے بجائے وہ تالیہ کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ پہریدار بت بنے کھڑے تھے اور وہ پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ ننگے پیر فرش پہ تھے۔ اور خود گم صم خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ پھر نقاہت سے مسکرائی۔ کمرے میں دو مشعلیں روشن تھیں اس لئے اس کا چہرہ زرد روشنی میں واضح دکھائی دیتا تھا۔

''تم مجھ سے خفا ہو کہ میں نے اسے جانے دیا؟'' وہ اس کے پلنگ پہ بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں خود سے خفا ہوں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں نے آپ پہ شک کیا تھا' بابا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مراد نے اپنے چہرے سے اندرونی جذبات کی خبر نہ ہونے دی اور بظاہر عام انداز میں حیران ہوا۔

''کیسا شک؟''

''یہی کہ دوا کام نہیں کرے گی۔ یا شاید ترکیب درست نہ ہو۔ لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھایا۔ مجھے آپ پہ کبھی شک نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پھر اس نے گہری سانس لی۔ ''جب مرسل نے اپنے بھائی کو مارا تو مجھے لگا میں اس پاگل دنیا میں نہیں رہ پاؤں گی۔ میں بھی ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جانے کا سوچنے لگی تھی لیکن آپ نے جو کچھ میرے دوست کے لیے کیا... اس کے بعد میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ ''ایڈم صحت یاب ہو گیا' اور واپس چلا گیا' مجھے یہی چاہیے تھا۔ لیکن وہ مجھ سے مل کے کیوں نہیں گیا۔''

مراد چند لمحے اس کا اداس چہرہ دیکھتا رہا۔

''وہ تمہارا دوست تھا۔'' توقف کیا۔ ''تمہارے نزدیک دوستی کیا ہے' تاشہ؟''

اس نے آنکھیں رگڑیں اور سادگی سے کہنے لگی۔

''کسی کی خوشی میں خوش' اس کے غم میں غمگین۔ اس کو اعتبار اور مان دینا۔ وفا نبھانا۔''

''اور محبت کیا ہوتی ہے؟''

تالیہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''پتہ نہیں۔''

''میں بتاؤں؟'' مراد آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''محبت وہ دوستی ہوتی ہے جس سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔''

تالیہ مراد اپنی جگہ پتھر ہو گئی۔

''اس نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ چے تالیہ اور فاتح کے درمیان سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ چے تالیہ سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔ اور اب وہ چے تالیہ کے بجائے اپنے لئے جینا چاہتا ہے۔''

اس کا انداز گہرا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا یہی کہنا کافی تھا۔

وہ یہ کہہ کے اٹھ گیا اور شہزادی پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی۔

یہ بات نئی تھی۔ یہ کسی سازش' کسی جھوٹ کا حصہ نہ تھی۔ یہ ایڈم کیا کہہ گیا تھا؟

ایڈم اس کا دوست تھا۔ صرف دوست۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا مگر وہ ایڈم کی نظر میں کیا تھی؟ وہ خالی نظروں سے مشعل کے شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کو عصرہ کی گیلری میں ملا تھا۔ وہ اس کو چور سمجھتا تھا۔ وہ اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے کنویں تک آیا تھا اور پھر وہ ہمیشہ اس کے پیچھے آنے لگا۔

ایڈم بن محمد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ مشکل میں اس کے پاس تسلی دینے کے لئے۔ اس کو سمجھانے اور کبھی کبھار صرف اس کو سننے کے لیے۔ ایڈم وہ سایہ تھا جو خاموشی سے اس کی چھاؤں بنا رہتا تھا۔ اور اسے کبھی خبر ہی نہ ہوئی؟

ایک ایک کر کے یادیں ذہن سے ٹکرا رہی تھیں۔

''ایڈم کا دل قدیم ملاکہ میں ٹوٹا تھا۔'' (فاتح جانتا تھا؟ وہ کیوں نہ جان پائی؟)

''تم نے کبھی ایڈم کو غور سے دیکھا ہے؟'' (داتن بھی محسوس کر گئی تھی۔ ایک وہ نہ کر سکی جس کی عقل سمجھ ان سب سے زیادہ تھی۔)

وہ اس کے انٹرویوز دیکھنا بھول جاتی تھی۔ وہ اس کی ای میلز کے جواب نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کے پاس صرف اپنی کہنے آتی تھی۔ اس نے کبھی بیٹھ کے سنا ہی نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ اس کی زندگی کا کون سا برتن تھا؟ اور وہ اس کی زندگی میں کیا تھی؟

''کیا میں کبھی اس سے پوچھ پاؤں گی کہ اس نے یہ سب مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' وہ ابھی تک سُن سی بیٹھی تھی۔

(آپ کتابیں نہیں پڑھتیں' چے تالیہ؟)

مسکراتا ہوا لہجہ یاد آیا تو احساس ہوا کہ وہ خود بھی تو ایک کتاب ہی تھا۔ کیا وہ ہمیشہ یہ پوچھا کرتا تھا کہ وہ اسے کیوں نہیں پڑھتی؟ اور وہ آگے سے کیا کہتی تھی؟ اپنے جواب یاد ہی نہیں تھے۔

''اوہ ایڈم!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ایڈم بن محمد اظہار کے اس عجیب طریقے سے اسے اداس کر گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

صبح کی دودھیا روشنی ملاکہ کے اونچے محلوں پہ پھیلی تھی۔ رات کی ساری سیاہی کو اس نے دھو ڈالا تھا۔ پرندوں کا ایک غول چہچہاتا ہوا بنداہارا کے محل کے اوپر سے گزر رہا تھا اور وہ بالکونی میں کھڑی سر اٹھائے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا رکھا تھا اور آنکھیں تیز روشنی کے باعث چندھیا رکھی تھیں۔

''تالیہ!'' آواز پہ اس کا ہاتھ نیچے آن گرا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پھر بے یقینی سے پلٹی۔

مراد کمرے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو بالکونی میں کھلتا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس نے تالیہ کو تالیہ کہہ کے پکارا تھا۔

''بابا؟'' وہ خوشگوار حیرت سے بولی' پھر اسے دیکھا تو مزید چونکی۔

مرا کا حلیہ پہلے سے مختلف تھا۔ وہ خاکی رنگ کی بنا آستین کی جیکٹ میں ملبوس تھا اور اس نے گہرا سبز پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پہ پٹی میں باندھنے کی بجائے بالوں کو پونی میں جکڑ رکھا تھا۔ نہ میان میں تلوار تھی نہ ہاتھ میں قیمتی انگوٹھیاں۔ بس کندھے پہ ترکش تھا اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''کیا تم شکار پہ جانا چاہتی ہو؟''

وہ کھلے دل سے مسکرا دی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

ملاکہ کا جنگل الور سونگائی کے جنگل سے مختلف تھا جس میں بچپن میں وہ جایا کرتی تھی مگر شاید سارے جنگل اندر سے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان میں سارے راستے گم ہو جاتے ہیں اور وہ زندہ ہوتے ہیں۔

وہ دونوں شکار کے لباس میں ملبوس' کندھوں پہ ترکش اٹھائے جنگل میں چلتے جا رہے تھے۔ یہ ایک رین فاریسٹ تھا اور اونچے درختوں نے اوپر سبز چھت بنا رکھی تھی۔ بمشکل سورج کی روشنی جنگل کے فرش پہ پہنچ پاتی تھی۔

''کیا تم آدم کے لئے فکرمند ہو؟'' ایک سبز پانی کے جوہڑ کے کنارے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے مراد نے سرسری انداز میں پوچھا۔ پھر ترکش اتار کے نیچے رکھا۔

''نہیں' بابا۔ وہ اپنی دنیا میں پہنچ جائے' اس سے زیادہ مجھے کیا چاہیے۔'' وہ ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی البتہ اس کے انداز میں اداسی تھی۔ مراد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جوہڑ کی سطح پہ چمکتے درختوں کا عکس دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں یہاں کسی وجہ سے لایا ہوں۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ چھوٹے سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے وہ بھی شکاریوں والے سادہ خاکی کرتے پاجامے میں ملبوس تھی۔

''کیا؟''

''میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کو کسی کنارے سے لگا لو۔ آدم جا چکا ہے اور فاتح یہاں رہنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو اپنے خاندان کا حصہ بنالیں۔''

تالیہ نے تعجب سے پلکیں جھپکائیں۔ ''آپ چاہتے ہیں میں وان فاتح سے شادی کرلوں؟'' قدرے توقف سے تصحیح کی۔ ''مطلب..... ہم اپنی شادی کو ظاہر کردیں؟''

''برونائی کے ولی عہد سے شادی برا سودا نہیں ہے۔'' مراد مسکرا کے بولا تو وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''بابا..... ان کو اپنی دنیا میں واپس جانا ہے۔ وہ یہاں نہیں رکنا چاہتے۔''

''وہ رکنے پہ تیار ہے۔''

تالیہ کی آنکھیں مشتبہ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ ''آپ نے ایک دفعہ پھر ان سے پسِ پردہ کوئی سودا تو نہیں کرلیا؟''

''میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ یہاں رکنا چاہتا ہے تو اس نے رضامندی ظاہر کردی۔ وہ آدم کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس میں سودا کیسا؟''

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ پھر لب کاٹے۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں؟''

''میں..... بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ فاتح کو چابی بنادیں تاکہ وہ چلے جائیں۔ وہاں ان کی زندگی ان کی منتظر ہے۔ ہم ان سے وہ نہیں چھین سکتے۔''

''کہیں تم اس کے ساتھ خاموشی سے چلے جانے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں؟'' مراد کا لہجہ خشک ہوگیا۔ زیرک نگاہیں تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ چند لمحے لب کاٹتی رہی۔ پھر گردن کڑا کے بولی۔ ''نہیں۔ اگر ان کے لئے چابی بنانے کے عوض آپ مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

''مگر وہ خود یہاں رہنا چاہتا ہے۔ میں اسے ملاکہ سلطنت کا بندابارا بنا سکتا ہوں۔'' مراد نے شانے اچکائے اور وہ بالکل

ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''یعنی آپ دونوں نے واقعی پسِ پردہ سودا کرلیا ہے؟ آپ نے انہیں تخت کی پیشکش کی اور وہ لالچ میں آ گئے؟''

''تخت کا لالچ کسے نہیں ہوتا' تاشہ؟''

تالیہ نے ایک نظر اس کے شکاریوں والے حلیے پہ ڈالی۔ اسے تالیہ کہنا' یہ لباس' یہ ترکش' یہ جنگل کا سفر.... سب مراد راجہ اپنے نئے سودے کی تکمیل کے لئے کر رہا تھا۔

''آپ مجھے یہاں لائے تھے تو مجھے لگا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مگر آپ صرف اپنے سیاسی مقاصد کے لئے ایک دفعہ پھر مجھے اور فاتح کو استعمال کرنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''کیا تم حکومت نہیں کرنا چاہتیں؟''

''میں کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

''تاشہ....'' وہ ساتھ ہی اٹھا۔

''آپ نے مجھ سے میرے دو دوست دور کر دیئے' بابا۔ ایک کو وقت کے پار بھیج دیا۔ اور دوسرے کو بے اعتبار کر دیا۔ میں فی الحال تنہا رہنا چاہتی ہوں۔'' وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہتی ایک طرف کو چلنے لگی۔ ترکش وہیں چھوڑ دیا۔ سینے پہ بازو لپیٹے اور دور چلتی گئی۔

''میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

مراد نے دیکھا وہ تھوڑی دور جا کے زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے مٹی کھود رہی تھی۔ وہ بچپن میں اکثر ایسے کرتی تھی۔ ناراض ہوتی تو جا کے درختوں کے بیچ زمین پہ بیٹھ جاتی۔ جوتے اتارتی۔ مٹی کھودتی۔ اور ایک اونچا محل بناتی۔

وہ آج بھی یہی کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ غصے میں تیز تیز کام کر رہے تھے۔ وہ پھر سے محل بنا رہی تھی۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔ دن چڑھنے لگا تھا اور مراد کو محل جا کے بہت سے کام کرنے تھے۔ اسے اس لباس سے بھی چھٹکارا چاہیے تھا جو اس نے اپنا عہد پورا کرنے کے لئے پہنا تھا۔ اس نے وان فاتح سے کیا وعدہ اپنے تئیں پورا کر دیا تھا۔ اب وہ دونوں اس کی مرضی کے منصوبے کے تحت چل رہے تھے اور چلتے رہیں گے۔ مراد کو مزید کسی محنت یا جہد کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔

وہ جنگل سے نکل کے محل کی طرف جانے والے راستے پہ چل رہا تھا جب ایک فقرہ ذہن سے ٹکرایا۔

"تاشا ایک سمندری سفر پہ جائے گی جس سے وہ واپس نہیں آئے گی۔"

مراد ٹھہر گیا۔ گردن موڑی۔ جنگل کے اس پار ساحل سمندر تھا جو ویران پڑا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک دوسرا منظر لہرایا۔

وہ منظر جو وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھ کے آیا تھا.....

مٹی پہ غصے میں بیٹھی تالیہ..... محل بناتے اس کے کیچڑ میں لتھڑے ہاتھ.... اور اس کے جوتے۔

تالیہ نے جوتے نہیں اتارے تھے۔

(آپ بے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔)

مراد ایک دم پیچھے کو بھاگا۔

(میں اپنی دنیا میں فریب کار تھی' بابا۔ میرا ہنر فریب دینا تھا۔)

وہ تیزی سے جنگل کی طرف واپس جا رہا تھا۔

(فریب کار وہ ہوتا ہے' بابا..... جو دوسرے کو وہ دکھائے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے۔)

ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔ وہ پسینے میں شرابور ان کے درمیان بھاگتا جا رہا تھا۔

(مجھے صرف فریب کاری آتی ہے۔ اور جو مجھے کرنا آتا ہے' وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔)

وہ اس مقام تک آیا تو دیکھا..... مٹی کا محل آدھا بنا ہوا کھڑا ہے۔ اور تالیہ وہاں نہیں ہے۔

مراد نے آنکھیں بند کیں' زیر لب کچھ پڑھا اور پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ وہ تیزی سے اس سمت بھاگا۔

چند درختوں کے درمیان ایک خالی قطعہ تھا۔ وہاں زمین پہ ایک ڈھکن کھلا ہوا پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھیلے میں کچھ ڈال رہا تھا۔ اس کی مراد کی طرف پشت تھی۔ قدموں کی آواز پہ وہ ٹھٹھک گیا اور پھر آہستہ سے پلٹا۔ مراد کو دیکھا تو ساکت رہ گیا۔

"آدم بن محمد!"

مراد راجہ سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کے ہاتھ تھیلے پہ رک گئے تھے۔ اس کا منہ ذرا سا کھل گیا' پھر اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور اونچی آواز میں بولا۔

"سوری بے تالیہ..... لیکن آپ کے ولن باپ کو con کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔"

مراد کی نظریں ایڈم کے عقب میں اٹھیں۔ وہاں زمین میں ایک ڈھکن سا کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یقیناً نیچے سیڑھیاں تھیں کیونکہ اگلے ہی لمحے زینے چڑھنے کی آواز آئی اور پھر..... وہ باہر نکلی۔ مراد کو دیکھ کے اس کی رنگت بدلی۔

وہ آہستہ سے باہر نکلی۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہم پکڑے گئے ہیں۔'' ایڈم سرگوشی میں بولا۔

''فکر نہ کرو۔ میرا ولن باپ اکیلا ہے۔'' وہ اپنی زبان میں کہتی ایڈم کے سامنے آئی اور سرد مہری سے مراد کو دیکھا جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

''تم مجھے دھوکہ دے رہی تھیں؟''

''آپ اپنے مقدر سے اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں بابا کہ لوگ آپ کو پسند کرتے ہیں اور آپ سلطان بن جائیں گے۔'' وہ طنز سے بولی۔

مراد نے بے بسی بھرے غصے سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم..... زندہ تھے؟''

وہ بالکل صحت مند نظر آ رہا تھا اور اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی بند ہونٹوں سے منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''جی راجہ۔ یہ زندہ تھا۔ اپنے تئیں تو آپ اسے مار چکے تھے۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ یہ وہ تالیہ نہیں تھی جسے مراد راجہ جانتا تھا۔

''وہ کیا ہے مراد راجہ کہ.....'' ایڈم تھوڑی کھجاتے ہوئے بولا..... ''مجھے کتابوں نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ اور آپ نے کبھی ہم سے سچ نہیں بولا۔ ہم تینوں کو معلوم تھا کہ آپ کبھی بھی اصل ترکیب نہیں دیں گے۔ مجھے اصل ترکیب کتابوں سے معلوم ہو گئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی دوا مجھے کوڑھ میں مبتلا کر دے گی۔ اس لیے میں نے دوا اپنی ترکیب کے مطابق بنائی تھی' آپ کی نہیں۔ گو کہ خود مجھے اور بے تالیہ کو ڈر تھا کہ ہم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں لیکن..... میں سورج نکلنے سے پہلے تندرست ہو گیا تھا۔''

''میں نے تمہاری لاش دیکھی تھی۔'' وہ مارے طیش کے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

ایڈم نے ابرو اچکائے۔ ''ہماری دنیا میں اپنی جعلی موت ظاہر کرنا بہت عام سی بات ہے۔ کوڑھ کا یہی فائدہ ہے۔ اس کی بدبو دوسرے سپاہیوں کو قریب نہیں لگنے دیتی۔ صرف ہمارا بندہ قریب آتا ہے۔''

''تمہارا بندہ؟'' مراد کا سانس تھم گیا۔

''عارف۔ ہم نے عارف کو خرید لیا تھا۔'' وہ اسی رکھائی سے مراد کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔ ''عارف کی سب سے بڑی

خواہش یہ تھی کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔ وہ ہم نے پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ ڈھیر سارا سونا دیا۔ اور اس نے ہمارا ساتھ دیا۔ عارف بہانے بہانے سے آپ کے سپاہی کو قید خانے سے نکال دیتا اور ایڈم اپنی جلد پہ جعلی کوڑھ کا خول چڑھا لیتا۔"

"وہ سب.....وہ سب اداکاری تھی؟" مراد کی آنکھوں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ "میرے سامنے اس کے لیے پریشان ہونا.....وہ سب....."

"جی۔ سب فریب تھا۔ لیکن میں نے آپ کو ایک موقع دیا تھا۔" وہ تنفر سے اسے دیکھ کے بولی۔ "مجھے تالیہ سمجھ کے ملیں اور مجھ سے پوچھیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں آخر تک آپ سے سچ سننے کی منتظر رہی تاکہ آپ کو الوداع بول سکوں لیکن آپ نے وہ موقع بھی گنوا دیا۔"

مراد نے غصے سے ہنکارا ابھرا۔ "تو وہ تمہاری خواہش تھی۔ نہ کہ فاتح کی۔"

"میں نے کہا تھا نا' آپ چے تالیہ کو نہیں جانتے۔" ایڈم مسکرا کے بولا۔

"پتہ ہے راجہ....." وہ دکھ سے کہہ رہی تھی.... "پھر بھی مجھے لگا تھا کہ آپ کہیں گے' ایڈم مر گیا ہے۔ وہ صحت یاب نہیں ہو سکا۔ مگر مجھے یا خود فاتح کو بھی اندازہ نہ تھا کہ آپ اسے واپس بھیجنے والا جھوٹ بولیں گے۔ آپ نے خود مجھے اپنے ہاتھوں سے کھویا ہے۔ اب میں بغیر کسی بوجھ کے یہاں سے جاؤں گی۔"

مراد چونکا۔ نظریں عقب میں نظر آتے کھلے دہانے تک گئیں۔

"مگر تمہارے پاس وقت کی چابی نہیں ہے....."

"سرپرائز....سرپرائز...." ایڈم نے گردن میں انجیر کے ساتھ پہنی چابی لہرائی۔

مراد کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ "یہ کیسے....."

"کیونکہ آپ ملاکہ کے واحد جادوگر نہیں ہیں۔"

آواز پہ ان تینوں نے گردن اس سمت موڑی جہاں سے وہ چلا آ رہا تھا۔ کندھے پہ تھیلا ڈالے' چہرے پہ سنجیدہ سپاٹ تاثرات سجائے' وہ تالیہ اور ایڈم کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"سوری۔ مجھے دیر ہو گئی۔" پھر مراد راجہ کی آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔ "آپ کو سب معلوم ہو ہی گیا ہے تو بتاتا چلوں...میں جانتا تھا' آپ چابی کبھی نہیں بنائیں گے۔ اس لئے میں نے یان سوفو سے سودا کر لیا تھا۔"

مراد نے گہری سانس لی۔ "اور بدلے میں تم نے اسے بغاوت کی اطلاع اور بھاگنے میں مدد فراہم کی۔"

"بالکل۔ میں نے اس سے دشمنی ترک کر دی اور اس نے مجھے چابی بنا دی۔ مجھے یہی چاہیے تھا۔ اور ہاں' یہ سب میں نے

اپنے دوستوں کے علم میں لا کے کیا تھا۔" وہ مراد کو دیکھتے ہوئے درشتی سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے ایک دفعہ ان سے چھپ کے آپ سے سودا کیا تھا۔ لیکن میں اب وہ انسان نہیں رہا جو مصلحتوں پہ فیصلے کروں۔ میں ان چیزوں سے آزاد ہو چکا ہوں۔ میں اپنی غلطیوں سے سیکھ چکا ہوں۔"

وہ تینوں شانہ بشانہ ایک ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کی نظروں میں مراد راجہ کے لئے سرد مہری تھی۔

اس نے غصے بھری بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"تم نے میرے ساتھ غداری کی۔ مجھے دھوکہ دیا۔" اس کا مخاطب فاتح تھا۔ "وہ میری بیٹی ہے' اسے میں معاف کر سکتا ہوں۔ لیکن تم.... تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں تخت میں حصے دار بنا رہا تھا۔ میں نے تم پہ اتنے احسانات کیے اور تم!"

"میں اپنے دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا' راجہ!"

"اور تم تاشہ!" اس نے دکھ سے تالیہ کو دیکھا۔ "تم میرے پاس آئی تھیں اور کہا تھا کہ تم یہاں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہو۔"

"کیونکہ آپ نے فاتح سے ان کی یادیں چھین لی تھیں۔ آپ کے اس سودے کی وجہ سے کتنے مہینے میری زندگی جہنم بنی رہی' آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں' راجہ۔ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ نہ میرے اور آپ کے درمیان سچائی کا تعلق ہے۔ میں کے ایل کی عام سی تالیہ ہوں۔ مجھے اب محلوں میں رہنے کی خواہش نہیں رہی۔"

پھر اس نے گہری سانس لی اور جنگل میں اپنے سامنے کھڑے اکیلے مراد کو دیکھا۔

"میں پچھلی دفعہ گئی تھی تو آپ سے ناراض تھی۔ اکتائی ہوئی تھی۔ اس دفعہ ناراض نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے جو محبت تھی وہ ہمیشہ رہے گی' لیکن مجھے وہ اب تکلیف نہیں دے گی۔ آپ کو چھوڑنا تکلیف دہ نہیں ہے۔"

مراد نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور بے بسی تھی۔

"آپ اپنے ساتھ لاؤ لشکر نہیں لائے' اچھا ہے۔ لاتے بھی تو آپ ہمیں نہیں روک سکتے تھے' مراد راجہ۔ ہم اپنی دنیا میں واپس جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ دروازہ بند ہو گیا تو آپ اسے نہیں کھول سکیں گے۔"

فاتح نے اب ان دونوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں سپاٹ نظروں سے مراد کو دیکھتے کھلے دہانے کی طرف بڑھ گئے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے اتر گئے۔ ڈھکن ابھی تک کھلا تھا۔

"مجھے آپ کے لیے افسوس ہے' راجہ۔ میں جانتا ہوں بیٹی کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے آپ کو موقع دیا تھا اپنی بیٹی کی نظروں میں سرخرو ہونے کا.... لیکن خیر.... الوداع' مراد راجہ۔"

اس نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا جو درختوں کے پتوں کے جھروکوں سے بدقت نظر آتا تھا۔

''الوداع ملاکہ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور کھلے دہانے کی طرف بڑھا۔تبھی اسے احساس ہوا کہ مراد اس کی طرف لپکا ہے' لیکن اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' مراد راجہ نے کوئی نوکیلی شے اس اس کی کمر میں گھونپ دی تھی۔

وقت تھم گیا۔

درختوں سے پرندے جھپاک سے اڑ گئے۔

فاتح کے منہ سے کراہ بھی نہیں نکلی۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔پہلو میں درد کی ناقابلِ برداشت لہر اٹھی تھی۔ بصارت دھندلا گئی تھی۔

مراد نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''جاؤ'میں نے تم تینوں کو آزاد کیا۔اور یہ.....یہ تمہاری غداری کا بہت چھوٹا بدلہ ہے۔''

یہ کہہ کے مراد سیدھا کھڑا ہوا اور تنفر سے اسے دیکھا۔وہ اپنے پہلو پہ ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا۔جنگل کی زمین پہ اس کا لہو ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔

فاتح بہت ضبط سے پہلو پہ ہاتھ رکھے اٹھا۔وہ شدید تکلیف میں تھا مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔مراد منتظر تھا کہ فاتح اس پہ حملہ آور ہو گا مگر فاتح نے صرف نفی میں سر ہلایا۔

''تم تالیہ کے باپ ہو۔اور میں تمہارا قاتل نہیں بننا چاہتا۔''

ایک نفرت بھری نظر اس پہ ڈال کے وہ وہ دہانے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد نے اسے سیڑھیاں اترتے دیکھا۔اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

پھر اس نے ڈھکن بند ہوتے دیکھا۔وقت کے ان مسافروں کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔وہ اپنی بیٹی کو کھو چکا تھا۔

اس نے قدم موڑ لئے۔اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔

''اپنی کتاب کا آخری صفحہ تحریر کرو'ابن ابی بکر۔'' کچھ دیر بعد وہ فوارے کے ساتھ کھڑا تھا اور دور افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔سامنے بیٹھا مورخ جو ہنگامی حکم پہ بلوایا گیا تھا کبھی حیرت سے راجہ کی بکھری بکھری حالت دیکھتا اور کبھی سر جھکا کے تیز تیز لکھنے لگ جاتا۔

''لکھو کہ مراد راجہ نے برونائی کے ولی عہد سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔

وہ دونوں بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔

لیکن مذاق مذاق میں...شہزادی تاشہ نے ایک جادوئی سوئی ولی عہد کو گھونپ دی۔

ولی عہد کا خون بہتا گیا۔

وہ زخم کی تاب نہ لا کے مر گیا اور اس غم کے باعث تاشہ نے...اس نے خود کو سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد تاشہ کو کسی نے ملاکہ میں نہیں دیکھا۔

وہ اس بحری سفر سے کبھی لوٹ کے نہیں آئی۔"

جس وقت مراد جنگل سے باہر جا رہا تھا' وان فاتح پہلو پہ ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا۔ تالیہ اور ایڈم نیچے موجود اس قدیم دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایڈم کے ہاتھ میں چابی تھی جس سے وہ تالہ کھول رہا تھا۔

تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی اور آہستہ سے بولی۔ "تم نے اپنی جعلی موت کے وقت بابا سے جو کہا...وہ پلان کا حصہ نہیں تھا...تمہاری وہ بات...."

"چپ تالیہ!" اس نے سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا۔ "وہ بات ہم وقت کے اس پار کریں گے۔"

"مگر ایڈم....کیا وہ...."

"میں نے کہا نا....ہم وہ بات کے ایل میں کریں گے۔ وان فاتح....آپ آ گئے؟ گڈ۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

وہ پہلو پہ ہاتھ رکھے زینے اتر رہا تھا۔ چہرے پہ تکلیف کو ضبط کرنے کے آثار تھے۔

ایڈم جو ساتھ ساتھ تالہ کھول کے دروازہ دھکیل رہا تھا' وہیں ٹھہر گیا۔ تالیہ نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

"فاتح۔" وہ بے یقینی سے اس کی طرف بڑھی۔ اس کا بازو تھاما۔ پہلو پہ رکھے اس کے ہاتھ خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ تالیہ نے جگہ کو چھوا تو اس کی انگلیاں بھی سرخ خون سے بھیگ گئیں۔

"یہ....یہ بابا نے کیا ہے؟" اس کی بے یقینی صدمے میں بدلی۔

"ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تالہ کھل چکا ہے۔ ہمیں واپس جانا ہے۔" وہ قدرے سختی سے کہہ کے آگے بڑھا۔

"آپ زخمی ہیں۔" ایڈم ہکا بکا رہ گیا۔

"چلو....ایڈم۔ جلدی کرو۔" وہ تکلیف برداشت کرتا' تیزی سے چوکھٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایڈم نے بھی پیچھے قدم بڑھائے۔ "جلدی چلو.."

"بابا نے....یہ کیسے کیا؟" اس کا صدمہ اب غصے میں بدل رہا تھا۔ رنگت سرخ پڑنے لگی تھی۔

''بابا نے اس آدمی پہ حملہ کیا جو میرے لیے سب کچھ تھا؟'' وہ ایک دم مڑی اور زینے پھلانگتی اوپر کو لپکی۔

''چے تالیہ.....آپ کیا کر رہی ہیں....'' ایڈم کی اکتائی ہوئی آواز سنائی دی۔

ڈھکن ابھی بند نہیں ہوا تھا۔ اس نے پوری قوت سے اسے ہٹایا اور سر باہر نکالا۔

''مراد راجہ.....'' وہ غصے سے غرائی۔ مگر سامنے جنگل کا فرش تنہا تھا۔ مراد دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آواز پہ بھی نہیں پلٹا۔ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی' وہ اس کا گریبان پکڑ کے اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا....لیکن...یہ اس سب کا وقت نہیں تھا۔ اگر دروازہ بند ہو گیا تو وہ یہیں پھنس جائے گی۔ بدقت ضبط کر کے وہ تیزی سے واپس آئی۔ بھاری دروازہ دھیرے دھیرے چوکھٹ کے قریب جا رہا تھا۔ وہ چوکھٹ سے لگنے ہی والا تھا جب تالیہ نے اسے زور سے دھکیلا اور اندر داخل ہوئی۔ اس کے گھستے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔

''ایڈم؟'' فاتح؟'' اس نے اندھیرے میں پکارا۔ جواب ندارد۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ پیر زینوں سے ٹکرایا۔ وہ اندھیرے میں ٹٹولتی اوپر چڑھنے لگی۔ آخری زینے کے اوپر ڈھکن تھا۔ تالیہ نے اسے کھولا اور باہر نکلی۔

وہ سڑک کے کنارے پہ کسی مین ہول سے باہر نکل رہی تھی۔ چند لمحے کے لئے ذہن کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے مگر پھر.....آہستہ آہستہ اس نے گردن گھمائی۔

وہ جدید ملاکہ کی ایک سڑک تھی۔ دور دور تک دکانیں اور ریستوران بنے نظر آ رہے تھے۔ سڑک پہ دو رویہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ رات کا وقت تھا اور اسٹریٹ لائیٹس جگمگا رہی تھیں۔

سامنے ایک بورڈ نظر آ رہا تھا۔ ''جونکر اسٹریٹ'' اور آگے مڑنے کا نشان تھا۔

اوہ یعنی وہ جونکر اسٹریٹ کے قریب تھی۔ جونکر اسٹریٹ وہ جگہ تھی جہاں سے ذوالکفلی کا گھر تھوڑا ہی دور تھا۔ یعنی وہ درست مقام پہ تھی۔

اسے ذوالکفلی کے تہہ خانے سے نکلنا چاہیے تھا۔ وہ یہاں سے کیوں نکلی؟

وہ کپڑے جھاڑتی اٹھی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مگر.....کوئی ارد گرد تھا بھی نہیں۔

''ایڈم؟ فاتح؟'' اس نے زیر لب فکرمندی سے آواز دی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ پلٹ کے مین ہول کو دیکھا تو وہاں زمین برابر ہو چکی تھی جیسے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تینوں ہمیشہ ساتھ جاتے اور ساتھ نکلتے تھے۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔فاتح کا خون ابھی تک ان پہ لگا تھا۔اسے پھر سے فکر ہونے لگی۔

اسے ذوالکفلی کے گھر جانا چاہیے۔وہ دونوں یقیناً وہیں سے نکلے ہوں گے۔

وہ تیزی سے جونکر اسٹریٹ کی سمت چل دی۔گردن میں موجود کپڑا سر پہ پہن لیا۔وہ ایک مفرور ملزمہ تھی۔اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

سڑک کے کنارے ایک جگہ اونچی سی ایل ای ڈی آویزاں تھی۔اس پہ کوئی میسج دکھائی دے رہا تھا۔تالیہ نے چلتے چلتے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔کونے میں تاریخ اور وقت لکھا آ رہا تھا۔

اتوار۔بائیس جنوری۔

وہ مسکرائی۔یہ وہی وقت تھا جب وہ تینوں ذوالکفلی کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔

اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ واپس آ گئی تھی۔

مگر وہ دونوں کہاں تھے؟

وہ چلتے چلتے جونکر اسٹریٹ پہ آ گئی۔وہاں بہت رش تھا۔لوگوں کا ہجوم چلتا ہی جا رہا تھا۔وہ اداسی سے مسکراتی ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی گئی۔اتنا عرصہ قدیم ملاکہ میں رہنے کے بعد یہ سب نیا نیا لگ رہا تھا۔ٹریفک....لوگوں کا انداز....عمارتیں....یہ وہی جونکر اسٹریٹ تھی جہاں وہ ان گنت دفعہ آئی تھی۔لیکن جدید زمانے کا سحر کتنا منفرد تھا۔

ماضی بالآخر پیچھے رہ گیا تھا۔وہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرنے کے لئے آزاد تھی۔

اسٹریٹ میں ایک جگہ وہ ٹھہر گئی۔گردن موڑی تو بائیں جانب ایک کافی۔کوکو کی مہک یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔اسے ذوالکفلی کے گھر جانے کے لئے کافی لے لینی چاہیے۔وہ راستے میں پی جائے گی۔بیٹھ کے پینے کا وقت نہ تھا۔

اس کے پاس پیسے نہیں تھے لیکن اسے ایک کریڈٹ کارڈ کا نمبر یاد تھا جسے وہ استعمال کر سکتی تھی۔وہ کاؤنٹر پہ گئی تو باریستا نے اسے خوش آمدید کہا۔تالیہ نے اس کو آرڈر لکھوایا اور خود دروازے کے ساتھ ایک میز پہ جا بیٹھی۔

(خدا کرے یہ مجھے نہ پہچانے۔)وہ فاتح اور ایڈم سے ملنے سے پہلے گرفتار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

کافی شاپ کی مرکزی دیوار پہ ٹی وی اسکرین نصب تھی۔اس پہ نیوز بلیٹن نشر ہو رہا تھا۔تالیہ کی نظریں وہاں اٹھیں تو واپس مڑنا بھول گئیں۔

اسکرین پہ ایک تھائی آدمی ایک ملے آدمی سے ہاتھ ملاتا نظر آ رہا تھا۔ملے آدمی کو وہ پہچانتی تھی۔

اسے ہی تو وہ پہچانتی تھی۔نیوز کاسٹر پس منظر میں کہہ رہی تھی.....

''تھائی لینڈ کے بادشاہ کا استقبال کرنے ملائیشیاء کے وزیراعظم وان فاتح خود نیچے تک آئے اور....''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب تالیہ مراد کو احساس ہوا کہ کچھ غلط تھا۔

وہ چند لمحے ٹکر ٹکر اسکرین پہ نظر آتے فاتح کو دیکھے گئی۔ تھری پیس میں ملبوس مسکراتا ہوا فاتح رامزل مختلف نظر آ رہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سست روی سے شاپ کے اطراف میں اٹھیں۔ یہ جگہ مختلف تھی۔ یہ جگہ اس جونکر اسٹریٹ سے مختلف تھی جو اسے یاد تھی۔ اس نے اشارے سے باریستا کو بلایا۔

''آج بائیس جنوری ہے نا؟ اتوار کا دن؟'' تالیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ باریستا نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی۔ آج اتوار ہے۔ بائیس جنوری۔''

''بائیس جنوری' 2017.... رائیٹ؟''

باریستا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں اچنبھا در آیا۔

''نہیں.... یہ 2023 ہے۔''

اس کے الفاظ نے تالیہ مراد کی سانسیں روک دیں۔

نہیں۔ یہ 2017 ہے۔ تم مذاق کر رہے ہو' ہے نا؟'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ اس کے چہرے پہ بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔

''سوری میم.... میں سمجھا نہیں۔ یہ 2023 ہے۔'' باریستا اسے عجیب الجھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاریخ بہت سے لوگ پوچھتے تھے۔ لیکن سال؟ سال کون پوچھتا تھا؟

تالیہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔

وہاں ملائیشیاء کا وزیراعظم اب تھائی لینڈ کے بادشاہ کے ساتھ عشائیے میں مصروف نظر آتا تھا۔ اس کے دونوں بچے اس کے ہمراہ کھڑے تھے۔ ٹین ایج سکندر اور جولیانہ۔ وہ دونوں بڑے ہو چکے تھے۔ عمر میں بھی۔ قد میں بھی۔

چھ سال گزر چکے تھے۔

نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ باریستا حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے آگے دھواں چھانے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اور گہرے گہرے سانس لیتی.... باہر آئی۔ پھر شاپ کے آگے فٹ پاتھ پہ بیٹھ گئی۔

یہ ممکن نہیں تھا۔ چھ سال کیسے گزر سکتے تھے۔ وہ وقت میں اسی مقام پہ واپس کیوں نہیں آئی تھی؟ نہیں.... یہ جھوٹ تھا۔

خواب تھا۔اس نے آنکھیں بند کیں۔ابھی وہ جاگ جائے گی۔اس نے آنکھیں کھولیں۔

سب ویسا ہی تھا۔وقت نے سارے حساب الٹے کر دیے تھے۔

وہ چند لمحے کے لیے غصے میں مراد کے پیچھے بھاگی تھی۔جب وہ واپس آئی تو دروازہ چوکھٹ سے لگ چکا تھا۔اس نے اسے کھول لیا کیونکہ اس کا تالہ کھل چکا تھا یا جانے کیا بات تھی۔لیکن جب اس نے اسے کھولا تو وہاں ایڈم اور فاتح نہیں تھے۔چند لمحوں کے فرق نے جدید دنیا میں برسوں کا فرق ڈال دیا تھا۔

لوگ جونکر اسٹریٹ پہ گزر رہے تھے۔آگے بڑھ رہے تھے۔ہنس رہے تھے۔بول رہے تھے۔

اور تالیہ مراد سُن سی فٹ پاتھ پہ بیٹھی تھی۔

☆☆=========☆☆

اگلا ایک گھنٹہ وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اس اسٹریٹ پہ آگے پیچھے پھرتی رہی تھی۔کبھی کسی بنچ پہ جا بیٹھتی۔کبھی کسی دکان کے اندر۔کبھی سڑک کنارے سر جھکائے چلنے لگتی۔کبھی گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑے گھڑی کی سوئیوں کو کوسنے لگتی۔اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔نہ وہ کچھ سوچ پا رہی تھی نہ سمجھ پا رہی تھی۔

جب اس کا ذہن بیدار ہونے لگا تو اس نے خد کو کافی شاپ میں بیٹھے پایا۔جانے کب وہ اندر آئی تھی اور کافی منگوائی تھی۔

بالآخر اس کے حواس کام کرنے لگے تھے۔وہ تیزی سے اٹھی اور کاؤنٹر تک گئی۔

''میں.....آپ کا کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہوں؟پلیز تھوڑی دیر کے لئے۔''اس کے انداز میں اتنی شدید لجاجت تھی کہ باریستا نے فوراً سے ایک لیپ ٹاپ اس کی میز پہ رکھ دیا۔

وہ وہاں بیٹھی کچھ دیر اسکرین کو تکتی رہی۔اسے کیا معلوم کرنا تھا' اسے معلوم نہ تھا۔بائیس جنوری ۲۰۱۷...کیا فاتح اور ایڈم چھے سال پہلے اس تاریخ میں جدید دنیا میں واپس پہنچ گئے تھے؟ ۲۲ جنوری کو جو بھی ہوا ہو گا' اس کی خبر اگلے روز کے اخبار میں چھپی ہو گی۔اس نے اپنی خون سے سرخ انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

۲۳ جنوری۔2017۔

تالیہ نے اس تاریخ کا آن لائن اخبار کھولا۔

''وان فاتح زخمی حالت میں جونکر اسٹریٹ کے کنارے پائے گئے۔''

''وان فاتح ہسپتال میں داخل۔ان کی حالت تشویش ناک ہے۔حملہ آور کا فی الوقت پتہ نہیں چل سکا۔''

''وان فاتح چھے روز بعد ہسپتال سے ڈسچارج کر دیے گئے۔اب وہ روبہ صحت ہیں۔''

وہ لبوں پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے پڑھ رہی تھی۔اس نے ایک دفعہ پھر بارٹینڈر کو بلایا۔وہ فوراً چلا آیا۔

''میں....میں کافی عرصے بعد ملائیشیا آئی ہوں۔''اب کے وہ قدرے سنبھل کے پوچھنے لگی۔''وان فاتح وزیراعظم کب بنے تھے؟''

''پہلی دفعہ یا دوسری دفعہ؟''وہ احتیاط سے پوچھنے لگا۔

''اوہ۔وہ دوسری دفعہ وزیراعظم بن رہے ہیں؟''

''جی میم۔پہلی دفعہ ۲۰۱۷ کے جون میں۔اور دوسری دفعہ پچھلے برس ۲۰۲۲ کے جون میں۔وہ پچھلے ساڑھے پانچ سال سے ہمارے پرائم منسٹر ہیں۔''

وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔اب کیا پوچھے؟

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟''

''امریکہ سے۔اچھا مجھے بتاؤ...تم نے ایڈم بن محمد کا نام سنا ہے۔وہ ایک رپورٹر ہوتا تھا جس نے....''

''ہانگ کانگ پیپرز والا ایڈم بن محمد؟ ''اینکر پرسن''ایڈم بن محمد؟''

''اینکر پرسن؟''اس نے دوبارہ سے لبوں پہ انگلیاں رکھ دیں۔آنکھیں بھیگنے لگ گئیں۔''ایڈم بن محمد اینکر بن گیا؟''

''جی....وہ ملائیشیا کا معروف اینکر ہے۔''باریستا فخر سے امریکی سیاح کو بتانے لگا۔''اس کی تو چار پانچ بیسٹ سیلر کتابیں بھی ہیں۔اور وہ ایک پرائم ٹائم ٹاک شو کا اینکر پرسن ہے....وہ ہانگ کانگ پیپرز کی وجہ سے Pulitzer پرائز کے لئے بھی نامزد ہوا تھا لیکن اسے پرائز نہیں ملا۔یو نو....پرائز آخر میں گوروں کو مل جاتا ہے۔''

''اس پہ....اس پہ ایک زمانے میں قاتلانہ حملے ہوتے تھے....''

''وہ تو پرانی بات ہے۔اب تو وہ اسٹار اینکر ہے۔اسے کون کچھ کہہ سکتا ہے۔خود پرائم منسٹر بھی نہیں۔آپ کو کچھ اور چاہیے۔''

''اونہوں۔''اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔''مجھے اب اور کیا چاہیے ہوگا۔''

وہ واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ایڈم کا نام کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

سوٹ میں ملبوس۔مسکراتا ہوا ایڈم بن محمد....وہ اب سیلیبریٹی رپورٹر سے کہیں آگے بڑھ چکا تھا۔وہ دنیا گھومنے والا....محلوں میں اٹھنے بیٹھنے والا....ایوارڈز اور انعامات جیتنے والا ایڈم بن محمد تھا۔

اس کا لباس قیمتی تھا۔اس کا گھر شاہانہ تھا۔اس کی کلاس مختلف ہو چکی تھی۔وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس نے اسکرین فولڈ کر دی۔ دماغ ایک دفعہ پھر سے ماؤف ہونے لگا۔ نظریں اوپر ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں تو وزیرِ اعظم وان فاتح پھر سے دکھائی دینے لگا۔ اب کے خبر مختلف تھی۔ یہ اگلا بلیٹن تھا۔ وہ بس ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

وہ پہلے سے زیادہ باوقار لگتا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس، روسٹرم پہ کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ وہی اعتماد۔ وہی بے نیازی۔ وہی حکمرانی کا سا انداز۔

تالیہ نے سر میز پہ گرا دیا۔ یہ سب غیر حقیقی تھا۔ اس کا دماغ مزید کچھ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ وقت نے اس کو بہت بڑی سزا دی تھی۔ بلکہ ان تینوں کو۔ ان تینوں کو ایک دوسرے سے چھین کے ان تینوں کو ادھورا کر دیا تھا۔

ابھی چند لمحے پہلے وہ تالیہ کے ساتھ تھے۔ اور اب.... سب بدل چکا تھا۔ وہ دونوں بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور وہ کہاں تھی؟

اس نے کرنٹ کھا کے سر اٹھایا۔ ایک منٹ۔ تالیہ مراد کہاں تھی؟

اس نے تیزی سے اسکرین کھولی۔ پھر جلدی جلدی ٹائپ کرنے لگی.....

تالیہ بنتِ مراد۔

خبریں سامنے آنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک صفحہ کھلنے لگا۔

2017 کے آغاز میں عصرہ محمود کے قتل کے بعد روپوش ہونے والی مفرور ملزمہ تالیہ مراد ابھی تک نہیں ملی تھی۔ غالباً وہ ملک سے بھاگ چکی تھی اور گمنامی کی زندگی گزار رہی تھی۔

عصرہ محمود کے قتل کا کیس ابھی تک بند نہیں ہوا تھا۔ وہ فائل پولیس ڈیپارٹمنٹ میں کھلی تھی اور اشعر محمود نے ہر طرح سے زور لگا کے اس کو کھلا رہنے دیا تھا۔

تالیہ مراد آج بھی ایک مفرور ملزمہ تھی۔

ایک بات وہ جانتی تھی۔ ملائیشیاء کے قانون میں کرمنل کیس کا کوئی statue of limitation (قانون میعاد سماعت) نہ تھا۔ اس قانون کے تحت ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد اگر مجرم پکڑا نہ جائے تو کیس بند ہو جاتا ہے اور مجرم بعد میں آ جائے، تب بھی اس پہ مقدمہ نہیں چلتا۔

مگر ملائیشیاء میں قتل کے کیس پہ کوئی قانون میعاد سماعت لاگو نہیں ہوتا تھا۔ اگر مجرم چھے برس بعد بھی آئے تو وہ مجرم ہی ہوگا۔

تالیہ کی زندگی کے دونوں ستون آگے بڑھ چکے تھے۔ وہ دونوں اپنے اپنے خواب پا چکے تھے مگر چھے سال گزرنے کے بعد

بھی تالیہ مراد ایک مفرور ملزمہ تھی اور پولیس آج بھی اس کی تلاش میں تھی۔

باریستا نے ایک گاہک کو آرڈر تھماتے ہوئے گردن موڑ کے اس گم صم سی لڑکی کو دیکھنا چاہا تو ٹھٹھک گیا۔

کافی کا کپ اَن چھوا رکھا تھا۔

لیپ ٹاپ بند پڑا تھا۔

اور کرسی خالی تھی۔

اسے علم بھی نہ ہوا۔وہ لڑکی جانے کب وہاں سے نکلی اور جونکر اسٹریٹ کے ہجوم میں گم ہوگئی۔

بنا کسی چاپ کے۔

بنا کسی آواز کے۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

☆☆==========☆☆